

مدیر اعلیٰ
مولانا محمد الیاس گھمن

فقیہ
مرکز گودھڑا
ماہنامہ

جلد نمبر 2 اگست، ستمبر 2013ء شمارہ 89

سیدنا ابی بن کعب

مرکز اہل السنّت والجماعت
کی اساسیات

مرکز سدا آباد ہے

اسلام میں اجماع کی حقیقت

حقوق اللہ
حقوق العباد

مرکز اہل السنّة والجماعة
87 جنوری 2013ء گودھڑا

ناشر



شماره 8,9

اگست، ستمبر 2013ء

جلد نمبر 2

مجلس ادارت

- مولانا محمد رضوان عزیز
- مفتی شبیر احمد خفی
- مولانا محمد کلیم اللہ

ایجنسی، ہولڈرز مہر لگائیں اور ہدیہ دینے والے اپنا نام لکھیں!

بفیضانِ نظر
تفحیظ العرب عارف البیہ حفظہ اللہ
والعجم عارف البیہ حفظہ اللہ
حکیم شاہ محمد اختر حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ

مولانا محمد الیاس گھمن

بیرون ممالک

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر سالانہ
سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر سالانہ
ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر سالانہ

قیمت فی شمارہ 20/- روپے

سالانہ زر تعاون

240/- روپے

برائے رابطہ

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ

87 جنونی لاکھ روڈ سکولہ 0332-6311808

www.ahnafmedia.com

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ



فہرست

- 3 مرکز اہل السنۃ والجماعت کی اساسیات -----
اداریہ
- 12 اسلام میں اجماع کی حقیقت -----
علامہ خالد محمود
- 22 مرکز سدا آباد ہے -----
مفتی شبیر احمد حنفی
- 38 سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ -----
مولانا محمد عاطف معاویہ
- 43 امام اعظم رحمہ اللہ اور الزام ارجاء! -----
متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن
- 56 شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ -----
مولانا محمد عبد اللہ معتمد
- 60 فضائل اعمال اور اعتراضات کا علمی جائزہ -----
متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن
- 73 حقوق اللہ اور حقوق العباد -----
ترتیب و عنوانات: مفتی شبیر احمد حنفی
- 95 متکلم اسلام کے حضور نذرانہ عقیدت -----
مولانا محمد نعیم اللہ، پشاور

مرکز اہل سنت والجماعت کی اساسیات

اداریہ

قرآن، سنت اور فقہ کی اشاعت و تحفظ کے عالمی ادارے مرکز اہل سنت والجماعت 87 جنوبی سرگودھا میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ عرصہ 7 سال میں اب تک اس ادارے میں تقریباً 450 فارغ التحصیل علماء کرام ایک سالہ تخصص فی التحقیق والدعوة کا کورس مکمل کر چکے ہیں۔ یہ آٹھواں گروپ ہے ملک بھر کے مختلف بڑے بڑے جامعات اور دینی مدارس سے دورہ حدیث شریف کے فضلاء مرکز اہل سنت والجماعت 87 جنوبی سرگودھا کا رخ کر رہے ہیں۔ الحمد للہ امسال بھی تقریباً 100 کے قریب علماء کرام کے داخلہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ جن میں سے کافی تعداد نے داخلہ لے بھی لیا ہے، باقی حضرات بھی مستقل رابطے میں ہیں۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ؛ سرپرست ادارہ نے افتتاحی تقریب میں مرکز اہل سنت والجماعت کی اساسیات پر گفتگو فرمائی کہ ہم نے مرکز کے قیام میں کن باتوں کا ملحوظ رکھا ہے، افادہ عام کے لیے پیش خدمت ہے۔

الحمد لله وحده لا شريك له والصلوة والسلام على من لا نبى بعده
اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ما كان محمد ابا
احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليما
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك
حميد مجيد. اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل
ابراهيم انك حميد مجيد.

اللہ رب العزت کا ہمارے اوپر بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو

اشرف المخلوقات میں انسان بنایا اس کے بعد اللہ رب العزت کا ہمارے اوپر بہت بڑا کرم یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں مسلمان بنایا اور اس کے بعد اللہ رب العزت کا ہمارے اوپر بہت بڑا کرم یہ ہے کہ ہمیں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا اور اللہ رب العزت کا ہمارے اوپر کرم اور احسان یہ کہ آخری امت کی عوام کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ہمارا تعلق اہل علم کے ساتھ جوڑا ہے ان احسانات کا اپنے ذہن میں استحضار بہت ضروری ہے جب تک آدمی کو یہ احساس نہ ہو کہ مجھ میں اللہ کریم کے فلاں فلاں انعامات موجود ہیں آدمی صحیح طرح زندگی میں جینا چاہے وہ جی نہیں سکتا۔

آپ نے کئی بار دیکھا ہے کہ والدین اپنی اولاد کو احساس دلاتے ہیں تجھے پتا ہے تو کس کا بیٹا ہے؟ کم از کم اپنا خیال نہیں کرتا تو ہمارے نام کی لاج رکھ لے۔ کبھی استاد احساس دلاتا ہے کہ تجھے پتا ہے تو کس کا شاگرد ہے؟ تیری ان حرکتوں کی وجہ سے ہم بدنام ہوں گے کبھی ادارہ تحریک والے احساس دلاتے ہیں کہ تمہارے ان غلط کارناموں کی وجہ سے ہماری جماعت بدنام ہوگی تو ہمیں اپنے ذہن میں ان انعامات کو مستحضر رکھنا چاہیے کہ اللہ نے ہم پر کتنے احسانات کیے ہیں اور یہ نیک لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بغیر مانگے اور بغیر طلب کیے ہمیں عطا فرمائے ہیں انسان ہونے میں ہمارے دخل کو کوئی حصہ نہیں مسلمان ہونے میں بھی کسی حد تک دخل نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا اس میں ہمارا رتی برابر دخل نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل علم کے ساتھ تعلق میں ہمارا دخل ہے لیکن یہ دخل بھی محض اللہ کریم کا فضل اور احسان ہے۔

اللہ رب العزت چاہیں تو باہر سے بندہ اٹھائیں اور اس کو علم کی دولت عطا فرمائیں اور اگر اعمال بد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ محروم کرنا چاہیں تو علمی مجلس میں سے اٹھائیں باہر پہنچا دیں۔ پتہ چلا کہ اگر اللہ کریم کا فضل اور احسان نہ ہو تو نیکی کی توفیق آپ

کو مل ہی نہیں سکتی۔ ایک بات تو میں نے یہ عرض کرنی تھی کہ ہم اپنے ذہن میں ان احسانات و انعامات کا تصور رکھیں ان شاء اللہ زندگی گزارنے کا لطف آئے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا تعلق عوام سے نہیں اہل علم طبقے سے بھی ہے اور اہل علم کا طبقہ بھی وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے۔ وارث اپنے مورث کا ایک چیز میں نہیں بلکہ تمام اشیاء میں وارث ہوتا ہے حتیٰ کہ مورث اگر ایک سوئی بھی چھوڑ کے جائے تو اس کا بھی وارث ہوتا ہے اگر میت دھاگہ چھوڑے اس کا بھی وارث ہوتا ہے ایک چیز کا وارث ہوتا ہے اگر علماء؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ اور یقیناً وارث ہیں تو پھر ہم وارث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چیزوں میں ہیں سوائے نبوت کے۔ اللہ نے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند فرما دیا ہے باقی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہونے کی حیثیت کے ہم پیغمبر کے تمام چیزوں کے وارث ہیں ساری گنونا بہت مشکل ہیں میں اہم بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں تمام چیزوں کا خلاصہ صرف تین چیزیں ہوتی ہیں:

1: علم

2: عمل

3: فکر اور درد

یہ تین چیزیں بنیاد ہیں نبوت کو جو چیز اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں وہ علم اور عمل ہوتا ہے نبی اللہ سے علم و عمل لیتا ہے اور امت کو علم و عمل عطا فرماتا ہے آپ کے ذہن میں ممکن ہے کہ خدشہ ہے کہ عمل کا تذکرہ ہے عقیدے کا نہیں لیکن اگر آپ کے عمل کے باب کو تھوڑا سے وسیع کر دو گے تو عقیدہ بھی اسی میں آئے گا۔ کیوں کہ عمل کا تعلق خواہ جسم سے ہو خواہ قلب سے ہو۔ تو پھر نظریات افعال دونوں اس کے اندر

داخل ہو جائیں گے تو نبی اللہ سے علم و عمل لیتا ہے اور امت کو دیتا ہے۔

ہم بحیثیت عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں علوم نبوت میں۔ ہمارا سب سے پہلا مقصد علوم نبوت میں وراثت ہے اور دوسری وراثت اعمال نبوت میں اور تیسری وراثت ہے افکار نبوت میں۔

صرف علم کافی نہیں ہے اور صرف عمل بھی کافی نہیں بلکہ نبی کا فکر اور درد بھی ضروری ہے کہ نبوت کی فکر کیا تھی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی رویا ہے امت کے لیے رویا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی مار کھائی ہے امت کے لیے کھائی ہے نبی نے جب بھی دکھ برداشت کیا امت کے لیے برداشت کیا۔

آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دوزندگیاں سامنے رکھیں ایک وہ زندگی جو قبل از نبوت ہے اور ایک وہ زندگی جو اعلان نبوت کے بعد کی ہے جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کام نہیں کیا تھا تو مشکلات پیش نہیں آئی تھیں، نبوت کے ساتھ جب بھی قوم ٹکرائی ہے اعلان نبوت کے بعد ٹکرائی ہے۔ نبی جب اعلان نبوت نہ فرمائے تب بھی پاک دامن ہوتا ہے اعلان نبوت کے بعد بھی نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔ نبوت کی ذات کا مسئلہ نہیں بلکہ جب کام شروع کیا تو اس کے بعد قوم نے مخالفت کی ہے۔ آپ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں جب تک کام شروع نہیں کریں گے اس وقت تک آپ کی ذات پر کیچڑ نہیں اچھالا جائے گا لیکن جب آپ مسلک کا کام شروع کریں گے تو لوگ آپ کے مخالف بنیں گے۔ پھر ایسے حالات آئیں گے مسائل پیدا ہوں گے اور اس قدر مسائل پیدا ہوں گے کہ جن کو شمار میں لانا ممکن نہیں۔

دو باتیں بنیادی عرض کرتا ہوں جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان میں سے بعض مسائل مادی ہوتے ہیں اور بعض مسائل فطری۔ مادی مسائل کا مقابلہ کرنا آسان

ہوتا ہے اور فطری مسائل کا سامنا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مادی مسائل کا انسان کوئی نہ کوئی حل تلاش کر لیتا ہے جیسے آپ پر اٹھانہ کھائیں سو کھی روٹی کھا لیں، گوشت نہ کھائیں سبزی کھا لیں، دو ہزار کا جو تانہ پھینیں چپل پہن لیں۔

لیکن فطری مسائل کا حل بہت مشکل ہوتا ہے فطری سے مراد یہ ہے کہ جب کام کرنے والے پر الزامات لگتے ہیں یا اس کی مخالفت ہوتی ہے جب غیروں سے بڑھ کر اپنے رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں تو یہ کام بڑا مشکل ہوتا ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے تفسیر معارف القرآن میں یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَزِدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ. (المائدہ: 54)

کے تحت لکھا ہے تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ یعنی جب تم کام کو چھوڑو گے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائیں گے جن کی یہ صفت ہوگی، یہ صفت ہوگی، اس کے بعد ہے کہ اللہ ان سے پیارے کرے گا اور وہ اللہ سے پیار کریں گے، مزید لکھا ہے فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ، تو اللہ نے اپنی محبت کو ان محبت پر مقدم کر دیا، اپنی محبت کو مقدم کیوں کیا؟ یہ سمجھانے کے لیے کہ وہ جو اللہ سے پیار کریں گے وہ نتیجہ اس محبت کا ہو گا جو اللہ ان سے کرتا ہے اگر اللہ محبت نہ کرے تو بندہ محبت کر ہی نہیں سکتا۔ ہمارے استاد بات کو سمجھایا کرتے تھے کہ شاگرد جو استاد سے پیار کرتا ہے اس وقت تک جب استاد پیار کرتا ہے، مرید اپنے شیخ پہ مرتا ہے جب تک شیخ کی اپنے مرید پر توجہ رہتی ہے۔ اور یہ جو لوگ اللہ پہ مرتے ہیں یہ تب تک ہے جب اللہ کی نظر کرم ان پر رہتی ہے جب اللہ نظر کرم نہیں فرماتے تو کوئی بھی اللہ پہ نہیں مرتا۔

پھر سمجھتا ہے کہ میں بہت باکمال ہوں باکمال نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ

ہوتا ہے کہ اللہ نے نظر کرم فرمادی ہے جب شیخ مرید سے محبت کرنا چھوڑ دے تو مرید شیخ کے دروازے پہ جانا چھوڑ دیتا ہے۔ یہ تب دروازے پہ جاتا ہے جب شیخ کی اس پر توجہ ہوتی ہے۔ خیر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ فرماتے ہیں فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ مَوْمِنِينَ کے معاملے میں نرم کفار کے مقابلے میں سخت آگے فرمایا يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ مفتی شفیع رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بیجاہدون فرمایا اور آگے ولا یخافون لومة لائم فرمایا۔ آخر کیوں؟

اس لیے کہ بیجاہدون یہ غیروں کے ساتھ ہے اپنوں کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی اللہ سے اتنا پیار ہوتا ہے کہ اللہ کی محبت میں اللہ کے دشمنوں سے لڑتے ہیں اپنی جان دیتے ہیں ان کی جان لیتے ہیں اور آگے فرمایا وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ اس کا تعلق غیروں سے نہیں اپنوں سے ہے۔ غیروں سے لڑیں گے اور اپنوں سے لڑتے نہیں اب اپنوں سے کیا کرے؟ اگر غیر ہے تو مقابلہ کریں گے اپنوں کے ساتھ کیا کریں؟ تو فرمایا کہ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ، اپنوں کے ساتھ معاملہ کیا ہے؟ اپنے برا بھی کہتے ہیں، اپنے الزام بھی لگاتے ہیں، اپنے طعن و تشنیع بھی کرتے ہیں، یہ کام بھی نہیں چھوڑتے اور اپنوں کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیجاہدون آسان ہے ولا یخافون پر عمل مشکل ہے۔ آدمی اللہ کے دین کے لیے تحریک بنائے گا اس پہ جان بھی دے گا، تشدد برداشت کرے گا اور جب اپنے اس کے خلاف بولیں گے دل چھوٹا کر کے بیٹھ جائے گا۔ کہتے ہیں کہ ہم پیسے بھی دیتے ہیں جان بھی دیتے ہیں اور اپنے برداشت نہیں کرتے دل چھوٹا کر کے بیٹھ جاتا ہے تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ بیجاہدون آسان اور ولا یخافون لومة لائم مشکل ہے۔

خیر میں سمجھایہ رہا تھا کہ اللہ کے نبی کے وارث ہونے کی حیثیت سے ہماری

وراثت بنیادی طور پر تین چیزوں میں ہیں:

1: علوم نبوت

2: افعال نبوت

3: افکار نبوت

یہ بنیاد ہے یہ باتیں سمجھ میں آجائیں تو کام کرنے میں لطف آئے گا تخصّص کرنے والے افراد سے بہت سارے احباب پوچھتے ہیں کہ وہاں کیا پڑھاتے ہیں؟ میں اپنے اساتذہ سے کہتا ہوں کہ جب کوئی اس طرح پوچھے کہ شرائط کیا ہیں؟ تو میں کہتا ہوں کہ دو شرطیں ہیں۔

1: مولوی ہو

2: بے وقوف نہ ہو

پوچھے نصاب کیا ہے؟ تو کہو ”انسانیت“ نصاب ہے۔

یہ لفظ سمجھئے کہ عالم؛ نبوت کے وارث علم میں ہیں اصل مسئلہ علم ہے اصل مسئلہ عمل نہیں ہے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ”آب حیات“ تب سمجھ آئی جب میں اپنے استاد سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔ جو کہ دیوبند کی زبان شمار ہوتے ہیں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کا اصل منصب علم ہے عمل نہیں ہے۔ حضرت اس بات پر عجیب نکتے پیش کرتے ہیں حضرت فرماتے ہیں کہ یہی وجہ کہ امتی کبھی افعال میں نبی سے بڑھ جاتا ہے لیکن علم میں کبھی نبی سے نہیں بڑھتا بظاہر افعال میں بڑھ جاتا ہے۔

کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج فرمایا

امتی پچاس جگ کرتا ہے بظاہر بڑھتا ہے لیکن حقیقت میں نہیں بڑھا حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے عجیب بات فرمائی حقیقت میں بڑھتا کیوں نہیں ہے؟ وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے تواضع، خشوع اور عاجزی کا۔ جتنی تواضع زیادہ ہوگی اتنا ہی عبادت کا مقام بڑھتا ہے اور تواضع؛ معرفت سے آتی ہے۔ آدمی جتنا کسی کو پہچانتا ہوگا اتنی ہی تواضع کرے گا اور معرفت علم کے ساتھ ہوتی ہے جس کا علم ہوگا اس کی معرفت ہوگی۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی کو بھی اللہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم نہیں ہے۔ اس لیے پیغمبر سے زیادہ کسی کو معرفت نہیں ہے۔ اس بنیاد پر پیغمبر سے زیادہ اللہ کے سامنے کسی کی تواضع نہیں ہے۔ لہذا کمیت میں کم بھی ہو مگر کیفیت میں پیغمبر کا ایک سجدہ امت کے کروڑوں سجدوں سے آگے نکل جاتا ہے۔ تو اصل مقام پیغمبر کا علم ہے اس لیے علماء کہتے ہیں کہ نبی کی وراثت علوم میں چلتی ہے اللہ ہم سب کو علوم نبوت، افعال نبوت اور افکار نبوت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے ہاں بڑے بڑے تخصصات موجود ہیں ان سب کی اہمیت اور افادیت کے ہم قائل ہیں اپنی اپنی جگہ پر ضروری ہیں لیکن ہمارے تخصص کی بنیاد کیا ہے؟

1: ہمارے علماء نے جو دلائل درس گاہوں میں پڑھے ہیں ان کے استعمال کا طریقہ بتائیں۔

2: ہمارے طلباء زمانہ طالب علمی میں اہل علم کے درمیان رہے ہیں اب ہم سکھائیں گے کہ عوام میں کس طرح کام کریں گے۔

3: اس وقت پوری دنیا میں جو فرقہ یا فرقیاں فتنے یا فتنیاں یا جتنے بھی ہمارے مد مقابل آئے ہیں تو ان کے ساتھ اعتدال کے ساتھ مدلل مقابلہ کیسے کریں؟ ہمارا بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ بعض حضرات فتنوں کے سدباب کے لیے نکلتے ہیں تو تھوڑے عرصے

بعد خود ”فتنہ“ بن جاتے ہیں۔ فتنوں کا مقابلہ کریں خود فتنہ نہ بنیں یہ بہت مشکل کام ہے۔ اعتدال میں رہنا بڑا ہی اہم ہوتا ہے۔ مد مقابل آپ پر الزام تراشیاں بھی کرتا ہے گالیاں بھی بکاتا ہے، حکومت کے ذریعے پابندیاں بھی لگواتا ہے، اتنے سارے مسائل کے باوجود آپ کے مزاج میں اعتدال ہو تشدد نہ ہو، یہ مشکل ہے۔

ہمارے مرکز اہل السنۃ والجماعۃ کے ذمہ داران میں سے کسی پر بھی کوئی ایف آئی آر موجود نہیں، پھر بھی کام ہو رہا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے دالعلوم دیوبند؛ دار الکفر میں رہ کر کام کرتا رہا ہے۔ اگر ہم انہی کی پالیسی کی تحت کام کریں گے تو ہمارا کام بڑا آسان ہو گا اور ہمارے مسلک میں جب مولوی دیوبندی کہا جائے تو مراد شیخ الہند کی ذات گرامی ہے۔ دیوبند کے فرد کامل کا نام حضرت محمود حسن ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہند کہنا ان کی بڑی بے ادبی ہے ان کو شیخ العرب والعجم کہنا چاہیے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ان کی پالیسی اپنائیں گے تو کام بڑا آسان ہو گا کسی بھی جماعت کے مزاج اور کام کو سمجھنے کے لیے موجودہ قیادت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ ان کے بانیان کو دیکھا جاتا ہے، تبلیغی جماعت کو دیکھنا ہو تو مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کو دیکھیں اور جہاد کو دیکھنا ہو تو شاہ اسماعیل شہید کو دیکھیں۔

4: ہمارے تخصص کی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے بہت سارے طلباء لکھ سکتے ہیں بول نہیں سکتے، تو ہم چاہتے ہیں کہ جو بھی یہاں سے نکلے تو مدرس بھی ہو اور مقرر بھی ہو، یعنی سب چیزیں موجود ہوں تو ہماری خواہش یہ ہے کہ ایسے عالم تیار کریں۔ کہ جو صاحب لسان بھی اور صاحب قلم بھی ہوں۔ اس کے لیے آپ ذہنی طور پر تیار رہیں اللہ کریم ہم سب کو اپنے دین کی اشاعت اور تحفظ کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

(آثار التشریع)

اسلام میں اجماع کی حقیقت

علامہ خالد محمود۔ پی۔ ایچ۔ ڈی لندن

اللہ تعالیٰ نے اس امت (حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت) کو مجموعی طور پر برباد ہونے اور باطل پر جمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ اس امت کا کسی چیز پر متفق ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بات صحیح ہے، اسلام میں امت محمدیہ کا اجماع معصوم تسلیم کیا گیا ہے۔ اس امت کا پہلا طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تزکیہ قلب کی دولت پائے ہوئے تھے اس لیے ان کا کسی بات پر متفق ہو جانا (جیسے کہ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت اور خلافت پر جمع ہو گئے یا مسلمہ کذاب کے مقابلہ میں انکار ختم نبوت کے کفر ہونے اور لائق جہاد ہونے پر جمع ہو گئے تھے) اس کے حق ہونے کا نشان ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد امت میں ہر طرح کے اچھے بُرے لوگ پائے گئے (گوتابیعین کے دور میں بُرے بہت کم لوگ ہوں گے) اس لیے اب ان ادوار میں ہر کہ و مہ کی رائے کا اعتبار نہ ہو گا اب اجماع کی اصطلاحی تعریف یہ کی جائے گی: ”کسی زمانے کے تمام معتمد علمائے مجتہدین کا کسی امر پر متفق ہونا۔“

یہ امت کسی ایک دور میں بھی باطل پر جمع نہیں ہو سکتی اس لیے علمائے مجتہدین کسی ایک دور میں بھی کسی بات پر جمع ہو جائیں تو اجماع امت منعقد ہو جاتا ہے جسے بعد کا کوئی اختلاف (گو کسی بڑے سے بڑے آدمی کا ہو) نہیں توڑ سکتا۔

جیسے ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں پر تمام ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے کہ

یہ تینوں ہی واقع ہوتی ہیں۔ اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں اس پر کسی مجتہد کا اختلاف نہیں ملتا۔ سو بعد میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اس سے اختلاف اس پہلے اجماع کو نہ توڑ سکے گا۔ اس لیے اب تک اجماع امت وہی شمار ہوتا ہے۔

اجماع کے لیے ضروری نہیں کہ سب اہل علم کسی ایک مجلس میں شریک ہوں یا اس میں تمام بلاد کی نمائندگی ہو یا ایک ہی دن میں سب اہل علم نے اس پر اتفاق کیا ہو، اگر کسی جگہ عامہ اہل علم کسی بات پر متفق ہو جائیں یہاں تک کہ تمام بلاد اسلامیہ اسے امت کا فیصلہ تسلیم کر لیں اور پھر یہی نہیں کہ اس پر کوئی مختصر لمحہ اوقات گزرے سالوں تک اس پر کوئی نقد نہ ہو پھر صد ہا سال مسلمانوں کا یہی موقف سمجھا جائے تو تسلیم کرنے سے چارہ نہ رہے گا کہ یہ ”اجماع امت“ ہے اور امت کے معتمد علمائے مجتہدین سب اسی رائے پر جمع ہیں مجتہدین کی انفرادی آراء میں خطا کا احتمال رہتا ہے لیکن مجتہدین کے اجماع میں احتمال خطا نہیں ہوتا۔ اس اتفاق کی وجہ سے اس رائے میں اللہ تعالیٰ کی رضا سامنے آ جاتی ہے اب یہ جو فیصلہ ہے اس سے اللہ راضی ہے۔

سبیل المومنین کا خلاف جہنم کی راہ ہے:

”ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل

المومنين نوله ماتولى ونصله جهنم وساءت مصيرا“ (سورة النساء)

ترجمہ: ”جو شخص اس رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ ہدایت کی راہ اس کے سامنے کھل گئی تھی اور وہ چلا سبیل مومنین کے خلاف تو ہم اسے ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ خود پھر اور اسے جہنم میں پہنچائیں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔“

امام طحاوی رحمہ اللہ ایک مقام پر اجماع کی قوت اس طرح بیان کرتے ہیں:

”فدل اجماعهم على نسخ ما قد تقدمه من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لان الله عز وجل لم يكن ليجمعهم على ضلال۔“ (طحاوی شریف جلد ۱ ص ۱۴۲)

ترجمہ: ”پس ان کا اجماع اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس سے پہلے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گزری ہے وہ منسوخ ہو گئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں (امت کو) گمراہی پر جمع نہیں ہونے دیتے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امت کے خیر اور حق پر ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ محدثین نے ان کے تواثر کا دعویٰ کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: ”مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں سبیل المؤمنین سے مراد ”اجماع“ ہے۔“

مولانا عبد الحلیم لکھنوی نور الانوار کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: ”وفائدة الاجماع بعد وجود السند مسقط البحث وصيرورة الحكم قطعياً“ (نور الانوار ص 222)

ترجمہ: ”جب کوئی بات سند سے پائی گئی اور اس پر اجماع ہو گیا تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آئندہ اس پر بحث نہ ہو سکے گی اور وہ حکم (جو اجماع سے پہلے قطعی نہ تھا) اب قطعی ہو جائے گا۔“

ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ ائمہ اربعہ اور ان کے پائے کے دوسرے علماء (جیسے حضرت سفیان ثوری، امام اوزاعی رحمہم اللہ وغیرہ) کے اتفاق کے باعث اب یہ ایک قطعی مسئلہ شمار ہوگا اور اس اجماع کے بعد کسی عالم کا کوئی اختلاف اس اجماع کو توڑ نہ سکے گا۔

اجماع کی مختلف قسمیں

سب اہل علم مل کر کسی قول یا فعل کو اختیار کریں۔

2 سکوتی

کچھ اہل علم کسی بات کو اختیار کریں اور دوسرے اہل علم اس پر کسی قسم کا انکار نہ کریں اس سکوت کے حجت کے لیے کچھ شرطیں ہیں:

- 1: سکوت کرنے والوں سے موافقت یا مخالفت کسی چیز کا صدور نہ ہو۔
- 2: جب انہیں پہلے طبقہ کی فیصلہ کی اطلاع ملے انہیں اس پر غور کرنے کے لیے مناسب وقت ملے۔
- 3: مسئلہ زیر غور وہ ہو جس میں کتاب و سنت کی صراحت نہ ہو اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو۔

4: اسے سکوت سے تسلیم کرنے والے علماء مجتہدین ہوں۔

تاریخی لحاظ سے اجماع کے دو درجے ہیں۔

1: اجماع صحابہ 2: اجماع علماء مابعد

اگر کسی مسئلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو (جیسے مسئلہ وتر میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم ایک طرف اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دوسری طرف) اور بعد از دور صحابہ رضی اللہ عنہم تمام مجتہدوں کا اس میں کسی بات پر اجماع ہو جائے تو پہلا اختلاف اس اجماع کو نہ توڑ سکے گا۔

نوٹ: دین کے وہ مسائل یا عقائد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تواتر کے ساتھ منقول ہوں اور ادوار مابعد میں ان میں اہل علم کا کسی قسم کا اختلاف نہ ہو تو یہ متواترات دین میں اجماع سے زیادہ قوت رکھتے ہیں۔

(1) اجماع ان مسائل میں ہوتا ہے جو مجتہد فیہ ہوں ان میں اجتہاد کی گنجائش ہو

اور متواتر وہ امور بھی ہو سکتے ہیں جو کتاب و سنت میں مذکور ہوں۔ ختم نبوت اور نزول مسیح کا عقیدہ اسلام میں متواتر چلا آ رہا ہے۔

(2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا ہر مدعی نبوت کا فریا مرتد ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابی ہیں یہ مسئلہ متواترات میں سے ہے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اجماعی منصوص نہیں محسوس ہے۔

اجتہاد:

جس مسئلے کا حکم کتاب و سنت اور اجماع صحابہ میں نہ ملے کتاب و سنت کے اصولوں میں غور و فکر کر کے اس مسئلے کا حکم دریافت کرنا یہ اجتہاد ہے۔ مسئلہ پیش آمدہ کی نظیر کتاب و سنت میں مل جائے تو اس مسئلے کو اپنی نظیر کی طرف لوٹانا اور اس کا حکم معلوم کرنا یہ بھی اجتہاد ہے اس رد النظیر الی النظیر کو استنباط بھی کہہ دیتے ہیں

اجتہاد کے تین مرحلے:

اجتہاد سے اصل کو فرع تک لانے کے لیے علت کو تین مرحلوں سے گزرنا

پڑے گا۔

(1) پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ کتاب و سنت کے اس حکم میں کون کون سے وصف علت بن سکتے ہیں؟

(2) پھر ان اوصاف کی تنقیح جو علت نہیں بن سکتے اس سے وہ وصف جو علت بن سکتا ہے متعین ہو جائے گا۔

(3) پھر اس متعین وصف کو اس صورت حال میں تلاش کرنا جس کے لیے اجتہاد عمل میں لایا جا رہا ہے پہلی صورت کو ”تخریج المناط اور دوسری کو ”تنقیح المناط“

اور تیسری کو ”تحقیق المناط“ کہتے ہیں۔

مثال: ایک بدروزے کی حالت میں اپنی بیوی کے پاس گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ ٹوٹ گیا۔ قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہیں اس صورت حال میں یہ اوصاف قابل غور ہیں۔

- (1) غلطی کرنے والا بدو ہے جو مسئلہ نہیں جانتا۔
 - (2) اپنی بیوی کے پاس گیا ہے جو روزے سے نہ تھی۔
 - (3) ارتکاب صحبت جس کی روزے میں ممانعت ہے۔
 - (4) اس بدو کو اپنے روزے کا پتہ تھا مسئلے کا پتہ نہ تھا۔
- ان سب امور کو جاننا ”تخریج المناط“ ہے۔

ان اوصاف میں وہ وصف متعین جس پر روزہ ٹوٹا صرف صحبت ہے یہ اس حکم کی علت ہے باقی اوصاف چھانٹ دیئے گئے یہ ”تنقیح المناط“ ہے۔ اب اگر کسی پیش آمدہ مسئلہ میں اس شخص نے روزے کی حالت میں صرف عہدِ آبانی پیا تو اس واقعہ کا حکم اس واقعہ کے لیے ایک نظیر ہو گا اور وہ علت اس نئے پیش آمدہ مسئلے میں تحقیقاً اترے گی اسے ”تحقیق المناط“ کہتے ہیں۔

مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تین مراحل سے گزرے پھر اسے ایک صورت کو دوسری پر قیاس کرنے کا حق ہو گا۔

شرائط اجتہاد:

اجتہاد کرنے کا حق ہر کسی کو نہیں دیا جاسکتا۔ اہل اجتہاد وہی ہیں جن میں اجتہاد کی مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

- (1) عربی زبان کا پورا علم کیونکہ قرآن و حدیث کی اصل زبان یہی ہے۔

- (2) قرآن و حدیث کا پورا پورا علم۔
- (3) آیات احکام اور احادیث احکام پر خصوصی نظر۔
- (4) پہلے جو اجتہاد (مثلاً خلفائے راشدین اور دیگر فقہاء صحابہ کے) ہو چکے ہیں ان پر پوری نظر ہو۔
- (5) اجتہاد کے اصول و قواعد کا پورا علم۔

مراتب اجتہاد:

- 1 اجتہاد مطلق 2 اجتہاد در مذہب
 - 3 اجتہاد در تخریج 4 اجتہاد در مسائل 5: اجتہاد در ترجیح
- فقہ حنفی میں تیسرے درجے کے مجتہد شمس اللائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزودی اور قاضی خان تھے۔ چوتھے درجے کے مجتہد حافظ ابو بکر الجصاص، الرازی اور ابو الحسین کرنی اور پانچویں درجے کے مجتہد علامہ قدوری اور علامہ برہان الدین صاحب ہدایہ معروف ہستیاں گزری ہیں۔

اجتہاد کی چار معروف راہیں:

- 1 قیاس 2 استحسان 3 استصلاح 4 استصحاب
- ان میں سے مجتہد جس راہ سے مسئلہ آمدہ کا حکم پالے وہ مسئلہ شریعت ہی کی دریافت سمجھا جائے گا مجتہدین مسائل کے موجد نہیں ہوتے صرف مظہر (انہیں دریافت کرنے والے) ہوتے ہیں۔ مجتہد کے لیے سب سے اہم مرحلہ کتاب و سنت میں اس علت کو تلاش کرنا ہے جو کسی حکم میں موجود ہو اور نئے پیش آمدہ مسئلہ میں وہ صاف خارجی اس کے حکم میں موثر ہو اور اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ قیاس کی صحت کے تمام شرائط پائے جائیں۔

قیاس

قیاس اصول فقہ کی اصطلاح ہے اور لفظ اس عام معنی میں نہیں جس میں عوام اسے استعمال کرتے ہیں عوام کے خیال میں قیاس اپنے تجربات اور مشاہدات کی رو سے کوئی خیال قائم کرتا ہے اس رائے کی اساس محض اپنے خیالات اور ضرورات ہیں۔ اصول فقہ میں قیاس کی بنیاد اپنے خیالات و تجربات نہیں کتاب و سنت میں مسئلہ پیش آمدہ کا حکم کتاب و سنت میں اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نہ ہو تو اسے ایسے کسی دوسرے مخصوص مسئلے پر قیاس کرنا بشرطیکہ اس قیاس کی صحت کی تمام شرطیں پائی جائیں۔

سو جو لوگ قیاس سے نفرت کرتے ہیں وہ عوام میں سے ہوتے ہیں اور قیاس کو وہ اس طرح سوچتے ہیں جو عوام کا ذہن ہوتا ہے اصول فقہ پڑھے ہوتے ہیں ان کے ہاں قیاس مجتہد کوئی معمولی بات تھیں مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت کرنے کی ایک اصل عظیم ہے۔

قرآن کریم میں قیاس کرنے کا حکم

قرآن کریم میں حکم ہوا کہ اگر تم کسی امر میں باہم اختلاف میں پڑ جاؤ تو اس امر کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ دو یہ اس کی کے لیے بہترین دریافت ہوگی۔ ”فان تنازعتم فی شیء فردوه الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون

باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلاً“ (پ النساء)

ترجمہ: سو اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اس معاملے کو لوٹاؤ اللہ و رسول کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کار اچھی بات۔

ظاہر ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

اس دنیوی زندگی میں تو نئے پیش آمدہ مسئلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جاسکتا تھا اب اس پر کیسے عمل کیا جائے؟

اب اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا اسے کتاب و سنت کی طرف لوٹانا ہوگا کہ نئے پیش آمدہ مسئلہ کی نظیر کتاب و سنت میں معلوم کی جائے اور پھر نئے پیش آمدہ مسائل کو ان کی نظائر کی طرف لوٹا کر ان کا شرعی حکم دریافت کیا جائے، یہ رد النظیر الی النظیر ہے اور یہی قیاس ہے جو مجتہد کی ذمہ داری ہے۔

جس آیت یا سنت سے اسے قیاس کیا جائے اسے اصل کہتے ہیں اور جو چیز بذریعہ قیاس معلوم کی جائے اسے فرع کہتے ہیں۔ اصل اور فرع میں ایک علت جامعہ ہوتی ہے جو دونوں کو جمع کرتی ہے اور پھر دونوں میں جو حکم ملتا ہے اسے جامع کہتے ہیں حکم جامع وہ حکم ہے جو علت جامعہ کے سبب اصل میں موجود ہوتا ہے۔ اگر وہ حکم اصل کے ساتھ خاص ہو تو پھر اسے آگے نہیں پھیلا جاتا۔

کوئی چیز جو نشہ آور ہو گو وہ شراب نہ ہو اسے نشہ کی علت جامعہ کے سبب شراب پر قیاس کیا جائے گا اور اسے حرام سمجھا جائے گا۔
(2) قرآن کریم میں ہے:

فاعتبروا یا اولی الابصار (پ 28 الحشر)

ترجمہ: اے آنکھوں والا تم عبرت حاصل کرو۔

کسی واقعہ سے اپنے لیے عبرت حاصل کرنا اس واقعہ کی اپنی طرف لوٹانا ہے قبر کسی دوسرے کی ہے اسے دیکھ کر اپنی قبر کا دھیان آنا اور اپنی آخرت کو یاد کرنا یہ وہ سبق ہے جو ہمیں اس کی قبر سے ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی فرمایا۔

عبرت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی سابق چیز کو اس جیسے اور واقعہ کی طرف

لوٹایا جائے اور یہی قیاس ہے لیکن قیاس ہر کسی کا معتبر نہیں یہ حق مجتہد کا ہے اور وہی قیاس کی ساری شرطوں پر نظر رکھے ہوتا ہے۔

ہاں قیاس کی علت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منصوص ہو جیسا کہ مذکورہ حدیث میں مذکور ہوئی تو اسے ہم بھی علت کہہ سکتے ہیں اور جو علت مستنبط ہو تو وہ اسی صورت میں حجت ہو سکے گی کہ اس کا استنباط کرنے والا وہ مجتہد ہو جس کے مجتہد پر اکثر علمائے امت کا اجماع ہو جیسے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

علت تین راہوں میں کسی راہ سے بھی معلوم ہو وہ علت جامعہ ہو سکتی ہے خواہ (1) نص سے معلوم ہو یا (2) اجماع سے یا (3) استنباط سے جس قیاس کی طرف ذہن جلدی منتقل ہو جائے اسے قیاس جلی کہتے ہیں اور جس پر ذہن اول دہلہ میں نہ آئے وہ قیاس خفی ہے جو لوگ جلی اور خفی میں فرق نہ کر سکیں وہ دین کو کیا سمجھیں گے..... جلی اور خفی کے احکام پہچاننا ہر کسی کا کام نہیں یہ کامل مجتہدین اور راہنما فی العلم پر ہی کھلتے ہیں کسی ایک کے تمسک میں نہ رہ جانا دونوں سے تمسک ضروری ہے۔

نوٹ: قیاس اور دلالت النص بظاہر ایک سے معلوم ہوتے ہیں لیکن بات یوں نہیں قیاس میں علت جامعہ کی تلاش ہوتی ہے جس کے لیے کتاب و سنت کے پورے علم کے ساتھ عقل و فکر کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس پیش آمدہ مسئلے کا حکم دریافت ہو سکے مگر دلالت النص کی بنیاد لغت پر ہوتی ہے۔

- 1: قیاس کا حق صرف مجتہد کو ہوتا ہے اور دلالت النص کو ہر صاحب لغت جان سکتا ہے۔
- 2: قیاس میں صواب و خطا دونوں کا احتمال رہتا ہے۔ مگر دلالت النص قطعی اور اس کا اعتبار متفق علیہ ہوتا ہے۔

مرکز سدا آباد ہے

مفتی شبیر احمد حنفی

تحقیق و دعوت کا علمبردار مرکز عالی شان
اہل سنت کا کرے پرچار مرکز عالی شان
چار دانگ عالم و اکناف میں چرچا ترا
تیری جدوجہد کا ، محنت کا چھڑتا تذکرا
گوہر نایاب بحر بیکراں کے مل رہے
دعویٰ و تنقیح کے غنچے یہاں پہ کھل رہے
حضرت نانوتوی کے علم کے عقدے کھلیں
ان کی فکرِ قلب کے موتی ملیں، جوہر ملیں
سوچ شیخ الہند کی دستور ہے، بنیاد ہے
ان کا فیضانِ نظر، مرکز سدا آباد ہے
حضرت مدنی کی تحریکِ عمل ہے اس کی جاں
تھانوی نظم و نسق کا ہے یہ مرکز ترجمان
خانقاہ اشرف و اختر کی موجیں ہیں رواں
شاہ امین کے فیض پہ شیدا ہوا ہے اک جہاں
شیخ گھمن کی سیادت سے رواں مرکز ہے یہ
ان کی عالی فکر کا بس ترجمان مرکز ہے یہ

حضرت گھمن نقوشِ رفتگاں کی یادگار
 تیری جودتِ فکر سے سرشار ہیں لیل و نہار
 حضرت اوکاڑوی کی فکر کا مظہر ہے تو
 ان سے جاری فیض پھیلاتا رہا گھر گھر ہے تو
 پیر و مرشد بھی ہے تو ، تو درس گاہ کا بادشاہ
 یہ خطابت تیری باندی ، اس کا ہے ڈنکا بجا
 متکلمِ اسلام تو ، راتوں کو کرتا قیام تو
 فی سبیل اللہ مجاہد ، غازیوں کا امام تو
 آپ کی تعریف میں رطب اللساں شیخ و ولی
 مفتی دیں شیخ مولانا محمد زر ولی
 شیخ مولانا سلیم اللہ ہیں تم پہ فدا
 کر رہے تصدیق صد فی صد تمہاری ، بر ملا
 حضرت علامہ خالد تجھ سے پر امید ہیں
 ”شیخ گھمن ہی ہماری آخری امید ہیں“
 شیخ نعمانی یہ فرماتے رہے ہیں بر ملا
 ”عمر میں ہو مثل بیٹا، آقا ہو پر باخدا“
 تیری مدح کے ترانے حنفی یوں گاتا رہے
 تیرے اوصافِ حمیدہ سب کو سنواتا رہے

تذکرۃ الحمدین

حضرت سیدنا امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ارشد سجاد حفظہ اللہ

نام و نسب:

نام حسن، کنیت ابو سعید، والد کا نام یسار اور کنیت ابو الحسن تھی۔ آپ کے والد مشہور صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کی والدہ کا نام خیرہ تھا جو کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی تھیں۔

مکمل نام و نسب یہ ہے: ابو سعید حسن بن ابی الحسن یسار البصری۔

(سیر اعلام النبلاء: ج 4 ص 563، 564)

ولادت باسعادت:

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ کے والد یسار کو آزاد کیا تو انہوں نے حضرت خیرہ سے نکاح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال باقی تھے جب حضرت یسار کے ہاں علم و عمل کے حسین امتزاج حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء: ج 4 ص 564)

فضائل و مناقب:

1: آپ کی ولادت کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کی تحنیک یعنی گھٹی دی [ولادت کے بعد کوئی نرم چیز بچے کو چٹا دینے کا نام تحنیک ہے] چنانچہ امام

ابن جوزی آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ولد فی خلافة عمر وحنکة عمر
بیدہ۵۔ [صفۃ الصفوة ج 3 ص 233 رقم الترجمة 500]

ترجمہ: آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیدا ہوئے اور حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے آپ کو گھٹی دی۔

2: آپ کی والدہ حضرت خیرہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی
خدمت کرتی رہتی تھیں۔ بسا اوقات کسی کام کے سلسلہ میں گھر سے باہر جاتیں اور
حضرت حسن رحمہ اللہ روناشروع کر دیتے تو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کو
سینے سے لگا لیتیں، بسا اوقات دودھ اتر آتا اور ام سلمہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو
دودھ پلا دیتیں۔ اس اعتبار سے آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بیٹا
ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس کی برکت بیان کرتے ہوئے امام مزنی رحمہ اللہ
فرماتے ہیں: فیرون ان تلك الحکمة والفصاحة من برکة ذالك۔

(تہذیب الکمال: ج 6 ص 95، 96)

آپ کو جو حکمت و فصاحت کلام حاصل ہوئی ہے وہ اس دودھ کی برکت تھی۔

3: شرف تابعیت: علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ”تذکرۃ الحفاظ“ میں جب
طبقہ وسطیٰ کے تابعین کا ذکر کیا تو ان میں پہلے نمبر پر حضرت حسن بصری کا تذکرہ کیا۔
آپ نے کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی اور ان سے روایت حدیث کر کے
تابعی ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اور بشارت نبوی: لا تمس النار مسلما رآنی أو رآی
من رآنی۔ [اس شخص کو آگ نہیں چھو سکتی جو مجھے دیکھے یا اس کو دیکھے جس نے مجھے
دیکھا] (سنن الترمذی: رقم الحدیث 3858)

اور: طوبی لمن رآنی ولمن رآی من رآنی۔ کے مستحق ٹھہرے۔ [اس شخص

کے لیے خوش بختی ہے جو مجھے دیکھے یا اس کو دیکھے جس نے مجھے دیکھا]
(اتحاف الخیرۃ المہرۃ رقم الحدیث 7010)

شرف روایت:

آپ نے بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا اور ان سے روایت بھی لی ہے۔ مثلاً: حضرت انس بن مالک، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو موسیٰ، حضرت ابو بکر، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم۔ (تہذیب التہذیب: ج 2 ص 231)

مرا سیل حسن بصری:

علماء جرح و تعدیل نے امام حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں کہا کہ آپ مرسل روایت بہت کرتے ہیں۔ یعنی صحابی کا واسطہ بیان نہیں کرتے۔

مرا سیل حسن کا حکم

آپ کی مرسل روایت چند وجوہ سے قبول ہے۔

1: آپ کا دور خیر القرون کا دور ہے، اس دور میں ارسال کوئی عیب نہیں تھا۔ آپ ایک عادل ثقہ تابعی ہیں اور تابعین کے خیر امت ہونے کی گواہی خود سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے: حَبِیْرُ اُمَّتِیْ قَرَنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ۔ کے الفاظ سے دی ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث 3650)

2: آپ رحمہ اللہ نے حجاج کا زمانہ پایا ہے، وہ دور اہل بیت رسول اور حضرت علی کے خلاف نفرتوں کا دور تھا۔ اس زمانہ میں اگر کوئی اہل بیت کے کسی فرد کا نام لیتا تو کوئی احمق ان سے بدسلوکی کرتا اور فتنہ کھڑا کر دیتا۔ آپ اس فتنہ سے امت کو بچانے کے لیے صحابی کا نام ذکر کئے بغیر مرسل روایت بیان کر دیتے، اس کا اظہار خود آپ نے اس

وقت کیا جب یونس بن عبید نے آپ سے مرسل روایت کے متعلق سوال کیا۔ امام مزنی اس سوال وجواب کو یوں نقل کرتے ہیں: یونس بن عبید کہتے ہیں میں نے حسن بصری سے سوال کیا کہ آپ حدیث بیان کرتے وقت قال رسول اللہ فرمادیتے ہیں حالانکہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا، تو آپ نے جواب میں فرمایا: بھینچے! یہ سوال آج تک مجھ سے کسی نے نہیں کیا، تو پہلا شخص ہے جس نے یہ بات پوچھی ہے، اگر تو میرا قریبی نہ ہوتا تو اس سوال کا جواب میں تجھے بھی نہ دیتا [تیرے سوال کا جواب یہ ہے کہ] جس زمانہ اور حالت میں میں زندگی گزار رہا ہوں وہ تو اچھی طرح جانتا ہے، آپ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا جس حدیث میں میں صحابی کا واسطہ چھوڑ کر براہ راست قال رسول اللہ کہوں تو سمجھ لو وہ حضرت علی کے واسطہ سے مروی ہے لیکن ان حالات میں میں حضرت علی کا نام نہیں لے سکتا۔

(تہذیب الکمال: ج 6 ص 124)

آپ کی مرسلات کے بارے میں امام علی بن مدینی فرماتے ہیں: مرسلات الحسن إذا رواها عنه الثقات صحاح۔ (تہذیب التہذیب: ج 2 ص 231)

آپ سے مروی مرسل روایات کو اگر ثقات نقل کریں تو وہ بالکل صحیح ہوتی ہیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ آپ کی مرسلات میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں، وہ مقبول عند المحدثین ہیں۔ واللہ اعلم

روایت بالمعنی!

حدیث کو نقل کرنے کے عام طور پر محدثین کے ہاں دو طریقے رائج ہیں۔

نمبر 1: یہ کہ من وعن بعینہ وہی الفاظ نقل کیے جائیں۔ اس کو محدثین کی زبان میں ”روایت باللفظ“ کہتے ہیں۔

نمبر 2: اس میں تھوڑی سی وسعت پیدا کر کے حدیث کا مفہوم اور معنی نقل کیا جائے اس کو محدثین کی اصطلاح میں ”روایت بالمعنی“ کہا جاتا ہے۔ امام موصوف رحمہ اللہ احتیاط کی وجہ سے ”روایت بالمعنی“ کے قائل تھے۔ یعنی اپنی روایتوں میں لفظ کے بجائے معنی پر بھی اعتماد کرتے تھے۔

حسن بصری رحمہ اللہ.... بزرگان امت کی نظر میں:

1: حضرت خالد بن رباح الہذلی فرماتے ہیں: سئل أنس بن مالك عن مسألة فقال سلوا مولا نا الحسن. (تہذیب الکمال ج 2 ص 534)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے مولیٰ و سردار ”حسن“ (بصری) سے پوچھو! لوگوں نے کہا اے ابو حمزہ ہم آپ سے پوچھتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ حسن سے پوچھو۔

2: حضرت ابو بردہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واللہ لقد أدرکت أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فما رأیت أحدا أشبه بأصحاب محمد من هذا الشيخ یعنی الحسن۔

(تہذیب الکمال ج 2 ص 534)

ترجمہ: قسم بخدا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو پایا ہے لیکن ان کے سب سے زیادہ مشابہ حضرت حسن کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا۔

علو منزلت کے اسبابِ تکوینیہ:

1: امام حسن بصری رحمہ اللہ کی بلند رفعت اور مقام میں جہاں دوسرے اسباب خیر شامل ہیں ان میں تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی نسبتیں بھی عطا فرمائی تھیں جن کی وجہ سے آپ کو یہ مقام نصیب ہوا ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو خلیفہ دوم خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی دعا بھی تھی چنانچہ

تہذیب الکمال میں حضرت عمر رضی اللہ کی یہ دعا جو انہوں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو دی تھی اس کا تذکرہ ان الفاظ میں منقول ہے اللھم فقھہ فی الدین وحببہ الی الناس۔ (تہذیب الکمال ج ۲ ص 534)

ترجمہ: اے اللہ [حسن کو] دین کی سمجھ عطا فرما اور لوگوں کا انہیں محبوب بنا دے۔

2: سفاح نے ابو بکر الہذلی سے پوچھا کہ آخر وہ کون سی خوبی تھی جس کی بناء پر تمہارے حسن بصری اس بلند مرتبہ و مقام تک پہنچ گئے؟ ابو بکر نے جواب دیتے ہوئے کہا: ”حسن نے بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا پھر آپ ایک سورۃ سے دوسری سورۃ کی طرف اس وقت تک منتقل نہیں ہوئے جب تک مذکورہ سورۃ کی تاویل و تفسیر معلوم نہیں کر لی اور شان نزول سے واقف نہیں ہو گئے۔۔۔۔۔ نہ کوئی حکومتی عہدہ قبول کیا۔ آپ سے جو کام کرنے کے لیے کہا گیا اسے کر لیا اور جس کام سے روک دیا گیا اسے چھوڑ دیا۔“ یہ سن کر سفاح نے کہا: ”بس یہی وہ اوصاف ہیں جن کی بناء پر اس شیخ [حسن بصری] کو یہ مرتبہ اور مقام حاصل ہوا۔“ (شذرات الذہب)

وفات حسرت آیات:

آپ یکم رجب المرجب 110ھ میں شب جمعہ کو دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ چنانچہ اگلے روز نماز جمعہ کے بعد نصر بن عمرو رحمہ اللہ نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور بصرہ کے تمام لوگ آپ کے جنازے میں شریک ہوئے۔

حمید الطویل فرماتے ہیں میرے علم کے مطابق بصرہ میں اسلام آنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ جامع مسجد میں عصر کی نماز نہیں پڑھی گئی کیونکہ تمام لوگ جنازے کے ساتھ چلے گئے تھے اور عصر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں کوئی شخص نہیں تھا۔

وفیات الاعیان

تقریب: پیغام قرآن بسلسلہ تکمیل قرآن

حافظ محمد ابو بکر شیخوپوری

دورِ حاضر کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ روز بروز مختلف قسم کے فتنے جنم لے رہے ہیں، جو عوام کو اپنے جال میں پھنسا رہے ہیں۔ دینی احکام و مسائل، اعتقادات و نظریات اور اصول و فروع میں اکابر و اسلاف پر اعتماد ختم کر کے خود رائی کے راستے پر چلا رہے ہیں اور راہ ہدایت اور صراطِ مستقیم سے بہکانے کی مکروہ کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الف تحیۃ والسلام کی من مانی تشریح و توضیح اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ سے متضادم اور متضاد تعبیر و توجیہ سے اپنے عقائد باطلہ کو بزعم خود ثابت کر کے ضلالت اور گمراہی کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔

اسلام کا لبادہ اوڑھ کر پس پردہ اسلام کی بیخ کنی کرنے والے دینی حمیت و غیرت سے عاری ان گمراہ گروں اور فتنہ پروروں کی ناپاک سازشوں کا سد باب کرنے کے لیے حضرت الاستاذ متکلم اسلام آبروئے دیوبند مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ سرگرم عمل ہیں جن کے تبحر علمی کا ہر خاص و عام معترف ہے اور وہ فی الواقع علوم ابو حنیفہ کے وارث ہیں۔

خود کو سلفی کہہ کر سلف سے بغض و عناد کی داغ بیل ڈالنے والے نام نہاد عالمین بالحدیث کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دینے لگا ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت اور ان کے مقلدین کی بڑھتی ہوئی تعداد سے چڑکھانے والے کو تاہ نظر پورے عالم اسلام میں امام صاحب رحمہ اللہ کی عزت و عظمت، قدر و منزلت اور رفعت و مرتبت کا علم بلند ہوتا دیکھ کر عَصُوا عَلَیْکُمْ الْاَنَامِلَ کی تسبیح پڑھ رہا ہے۔

حضرت الاستاذ کی مساعی جمیلہ فکری و نظریاتی اصلاح کے لیے کورسز کے انعقاد، فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشن کی امین اور سلف و خلف کے علوم کی ترجمان جماعت دیوبند کے مسلک کو دلائل و براہین سے ثابت کرنے، عوامی اجتماعات میں اپنی سحر انگیز خطابت کے ذریعے عوام الناس کے عقائد و اعمال کی اصلاح کرنے اور دیوبند کے لبادے میں ملبوس دشمنان دیوبند کے کذب کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت حال کو واضح کرنے جیسے مقاصد جلیلہ پر مشتمل ہے۔

انہیں پروگراموں کے سلسلہ کی ایک کڑی تقریب پیغام قرآن ہے۔ حضرت الاستاذ کو حق جل مجدہ نے اپنے خاص لطف و عنایت سے امسال رمضان المبارک میں عمرہ کی ادائیگی کے لیے حرمین شریفین کے سفر کی سعادت بخشی۔ آپ نے حرمین شریفین کے قیام کے دوران ہی قرآن کریم کی منزل سنائی اور واپسی پر رمضان المبارک کی انتیسویں شب کو اس کی تکمیل فرمائی۔ اس مبارک موقع پر یہ پروقار، روح پرور اور فقید المثال تقریب منعقد ہوئی۔ اس تقریب سعید عشاق اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک جم غفیر اطراف و اکناف سے اٹھ آیا تھا۔ انتظامی، تربیتی اور اصلاحی حوالے سے یہ تقریب منفرد نوعیت کی حامل تھی۔ آپ نے اپنے خطاب میں سنت نبوی اور عملی صحابہ کو دین کی بنیاد قرار دیتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی اور جادہ نبوی اور عمل صحابہ سے ہٹنے والوں کو اہل بدعت قرار دیا آپ نے سادہ مثالوں کے ذریعہ اس امر کی وضاحت فرمائی کہ اس وقت مختلف فرقے دین افراط و تفریط کا شکار ہیں علماء دیوبند کو اللہ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ وہ افراط و تفریط کے توسط سے نکلنے والی راہ اعتماد پر گامزن ہیں بعد ازاں مجلس ذکر ہوئی اور پھر حضرت الاستاذ کی رقت آمیز دعا پر یہ روح پرور محفل اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔

ہم عہد کرتے ہیں

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

رمضان المقدس کا مہینہ الوداع ہو چکا۔ رحمت، مغفرت اور جہنم سے آزادی کے پروانے سنا کر منزلِ اختتام کو پہنچ چکا۔ یہ مبارک مہینہ روزہ اور قرآن کے حسین امتزاج کے ساتھ شروع ہو کر عید جیسے عظیم خوشی و شادمانی کے دن کا تحفہ دے گیا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس مہینے کی قدر و منزلت کو پہچانا، اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوئے، روزہ، تراویح، اعتکاف اور فطرانہ جیسی عبادات سرانجام دیں، خدا تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہوتے رہے، دعا و مناجات کا سلسلہ جاری رکھا، حلال اشیاء سے محض خداوند قدوس کے حکم پر اجتناب رکھا تو رحمتِ الہی سے قوی امید ہے کہ مغفرت کے پروانے لے کر آخرت کی سرخروئی حاصل کریں گے ان شاء اللہ۔

قارئین کرام! آئیے رمضان کے الوداع پر ہم عہد کرتے ہیں کہ اس سے جو سبق ملا، اس کے تقدس سے جو نصب العین ملا، اس کے تقاضوں پر کاربند رہنے کی صورت میں جو پیغام ملا اس پر ہم اپنی پوری زندگی میں عمل پیرا رہیں گے اور زندگی کے ہر موڑ پر ہم ان سے روگردانی نہیں کریں گے۔ ان شاء اللہ

ہم عہد کرتے ہیں کہ جس طرح روزہ میں جائز کھانے، پینے اور خواہشات سے محض خدا تعالیٰ کے حکم سے رکے رہے، اسی طرح تمام شعبہ ہائے زندگی میں ناجائز امور، حرام مال اور ناجائز خواہشات کی تکمیل سے بھی باز رہیں گے۔

ہم عہد کرتے ہیں کہ پوری زندگی اپنی آنکھ، کان، زبان، ہاتھوں، قدموں اور جذبات کو جائز کاموں میں استعمال کریں گے، معاصی اور گناہ کے امور سے یکسر

اجتناب رکھیں گے۔

ہم عہد کرتے ہیں کہ آئندہ عمر میں گناہ کے امور سے بچتے رہیں گے حتیٰ کہ اسبابِ گناہ سے بھی دور رہیں گے۔

ہم عہد کرتے ہیں کہ پوری زندگی نمازِ پنجگانہ کا اہتمام کریں گے کہ جس طرح رمضان المبارک میں مساجد نمازیوں سے بھری نظر آتی ہیں، غیر رمضان میں بھی یہی منظر دکھائی دے۔

ہم عہد کرتے ہیں کہ غریبوں کا بھی خیال رکھیں گے اس احساس کے ساتھ کہ جو بھوک اور پیاس ہمیں روزہ میں محسوس ہوئی ایسی بھوک جب غریبوں کو لگتی ہے تو ان پر کیا گزرتی ہوگی؟!

ہم عہد کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمان رب کا قرب چاہنے یا اپنے گناہوں کو بخشوانے کے لیے اللہ کے در کا ہو کے رہتا ہے، اگر آئندہ زندگی میں ہم سے بھی کوئی خطا یا گناہ سرزد ہوا تو ہم بھی توبہ و استغفار کے لیے خدا تعالیٰ کے دربار کی طرف دوڑیں گے اور اسی کے حضور گڑ گڑا کر اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں گے۔

ہم عہد کرتے ہیں کہ جس طرح فطرانہ کی رقوم سے غرباء و مساکین کو عید کی خوشیوں میں شریک کیا ہے، زندگی کے کسی موڑ پر بھی اگر کسی حاجت مند اور ضرورت مند انسان کو امداد کی ضرورت پڑ جائے تو ہم حسب استطاعت اس کی معاونت میں دریغ نہیں کریں گے۔

خدا تعالیٰ ہمارے ان عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور سہولت اور عافیت کے ساتھ دینِ متین پر کار بند رکھے۔ آمین

(خزائن القرآن)

لطائف و معارف سورہ فاتحہ

”سورۃ الفاتحہ“ کو ام القرآن اور خلاصۃ القرآن ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے دقیق مضامین، دلنشین فرامین اور لطائف و معارف ایک عظیم شان کے مالک ہیں۔ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عالی ذوق پر اس کی تشریح فرمائی ہے، سابقہ ”فقہ“ میں اس کا پہلا حصہ آچکا ہے، اب دوسرا حصہ ہدیہ قارئین ہے۔ مفتی شبیر احمد حنفی

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ نے فرمایا:

”حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابر و باد و مہمہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

بادل اور ہوائیں اور چاند سورج تیری خدمت میں لگے ہوئے ہیں تاکہ جب تو روٹی ہاتھ میں لے تو غفلت سے نہ کھائے، سارا جہاں تیرا مطیع و فرماں بردار بنا دیا گیا تو یہ سخت ظلم ہے کہ ایسے محسن مالک کی تو فرمانبرداری نہ کرے۔

اس کے بعد ﴿الَّذِينَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ ہے، میں تمہارا رب تو ہوں لیکن رحمن و رحیم بھی ہوں، میری ربوبیت شانِ رحمت کے ساتھ ہے، دیکھو میں تمہیں کتنی رحمت سے پال رہا ہوں۔ ایک بڑھئی ذرا سا چاقو بناتا ہے تو پہلے لوہے کو آگ میں ڈالتا ہے پھر

ہتھوڑے مارتا ہے۔ بتاؤ جب میں نے تم کو بنایا تو ماں کے پیٹ میں کتنے ہتھوڑے لگائے اور کس آگ میں جلایا؟ اس رحمت سے پیدا کرتا ہوں کہ تمہاری ماں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ کب کان فٹ ہو رہے ہیں، کب آنکھیں لگ رہی ہیں، کب زبان بن رہی ہے، کب دل لگا رہا ہوں۔ آہ! تمہارا میٹرل تو باپ کا نطفہ اور ماں کا حیض تھا جس پر تمہارے اعضاء کی تشکیل کی جس میں تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی۔

﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کے بعد ﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ نازل کر کے بتا دیا کہ میری ہر ادائے ربو بیت میں شانِ رحمت شامل ہے، ہر ادائے تربیت میں شانِ رحمانیت اور شانِ رحیمیت ہوگی۔ رحمٰن اور رحیم میں کیا فرق ہے؟ رحمٰن کے معنی ہیں مہربانی کرنے والا اور رحیم کے معنی ہیں بہت زیادہ مہربانی کرنے والا، بار بار رحمت کرنے والا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ رحمٰن میں جو رحمت ہے وہ مومن اور کافر سب پر عام ہے، اسی صفتِ رحمانیت کے صدقے میں دنیا میں کافر رزق پارہا ہے، اگر شانِ رحمانیت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو روٹی نہ دیتا غرض صفتِ رحمانیت مشترک ہے مومن اور کافر کے درمیان اور رحیم خاص ہے مومنین کے لیے، شانِ رحیمیت صرف مومنین کے لیے ہے لہذا مومنین جب جنت میں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ﴿نُزِّلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾ (سورۃ فصلت: ۳۲)

یہ مہمانی ہے غفور رحیم کی طرف سے۔

دوسرا فرق علامہ آلوسی السید محمود بغدادی نے یہ بیان کیا ہے کہ رحمانیت کی شان کبھی مزوج بالالم ہو سکتی ہے یعنی اس رحمت میں تکلیف کی آمیزش ہو سکتی ہے جیسے گردے کی پتھری نکالنے کے لیے آپریشن ہو رہا ہے اس میں بھی رحمت ہے کہ پتھری نکل جائے گی مگر اس میں تکلیف شامل ہے اور رحیم میں وہ صفتِ رحمت ہے جو

کبھی ممزوج بالالم نہیں ہوتی۔ جنت میں چونکہ کوئی تکلیف نہ ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾ نازل فرمایا یہاں رحمن نازل نہیں فرمایا کیونکہ جنت میں کوئی الم نہیں ہے، کوئی تکلیف نہیں ہے، لیکن وہاں کی خوشیاں انہی کو ملیں گی جو یہاں اللہ کے لیے غم اٹھا چکے ہیں، جنہوں نے گناہوں سے بچنے کا غم اٹھایا ہے، عبادت کی مشقت برداشت کی ہے۔ اس لیے جب جنت میں پہلا قدم داخل ہوگا تو ہر جنتی کے منہ سے یہ بات نکلے گی: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ﴾ (سورۃ الفاطر: ۳۴)

شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم سے غم کو اٹھالیا کہ آج غم ہمیشہ کے لیے ختم ہو رہا ہے، اب کبھی غم کا تصور بھی نہ ہوگا۔

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں یہی دعائنگی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی شانِ رحیمیت کا مظہر بنائے اپنی وہ شانِ رحمت دے جو کبھی ممزوج بالالم نہیں ہوتی یعنی اے خدا! اپنی شانِ رحیمیت کے صدقے میں ہمیشہ ہم کو عافیت سے رکھے، کبھی کوئی تکلیف نہ دیجئے۔

﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ میں بتا دیا کہ میں قیامت کے دن تابع قوانین نہیں ہوں گا قیامت کے دن کا مالک ہوں گا۔ اُس دن میری حیثیت قاضی اور حج کی نہیں ہوگی مالک کی ہوگی۔ دنیا کی عدالتوں کے قاضی اور قاضی القضاۃ یعنی سپریم کورٹ کے جسٹس اور چیف جسٹس سب قوانین و فرامین سلطنت کے پابند ہوتے ہیں، پابندِ قانون مملکت ہوتے ہیں، قانون کے دائرے کے خلاف نہیں جاسکتے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں قاضی اور حج کی حیثیت سے فیصلے نہیں کروں گا، میں قیامت کے دن کا مالک رہوں گا جس کو چاہوں گا بخش دوں گا جس کو چاہوں سزا دوں گا، میں کسی قانون کا پابند نہیں ہوں، تابع قانون نہیں ہوں بلکہ مالک ہوں جس کو چاہوں سزا

دوں جس کو چاہوں بخشوں، بخشش کے لیے بس ایمان شرط ہے۔ اگر قانون کی رو سے کوئی بخشش نہیں پارہا ہے تو جس کو چاہوں گا اپنے مراحم خسروانہ، اپنے شاہی رحم سے بخش دوں گا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شاہ عبد القادر صاحب تفسیر موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرشِ اعظم کے سامنے لکھایا ہوا ہے: ”سَبَقْتُ رَحْمَتِي غَضَبِي“ یعنی میری رحمت اور میرے غصہ میں دوڑ ہوئی تو میری رحمت غصہ سے آگے بڑھ گئی۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ از قبیل مراحم خسروانہ یعنی شاہی رحم کے طور پر لکھایا ہے تاکہ جو بندے قانون کی رو سے مغفرت نہ پاسکیں میں ان کو اپنے شاہی رحم سے معاف کر دوں جس طرح اخباروں میں آپ پڑھتے ہیں کہ سزائے موت کے مجرم نے سپریم کورٹ سے مایوس ہو کر شاہ سے رحم کی اپیل کر دی۔ بادشاہ کو قانوناً اختیار ہوتا ہے کہ جس کو چاہے معاف کر دے۔ لیکن دنیا کے بادشاہ معاف کرنے میں بھی پابندِ قانون ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ فرما کر بتا دیا کہ میں قیامت کے دن کا مالک رہوں گا، قوانین کا پابند نہیں رہوں گا جس کو چاہوں گا سزا دوں گا جس کو چاہوں گا اپنے مراحم خسروانہ سے، شاہی رحم سے معاف کر دوں گا۔

[خزان القرآن: ص 21 تا 23]

(تذکرۃ الفقہاء)

سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

مولانا محمد عاطف معاویہ حفظہ اللہ

نام و نسب:

ابو المنذر ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ الانصاری الخزرجی
آپ کی کنیت ابو المنذر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔

(اسد الغابہ ج 1 ص 89)

فضائل و مناقب:

جن خوش نصیب صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں
قرآن کو جمع کیا حضرت ابی ان میں سرفہرست ہیں۔ چنانچہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں:
سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِنَ الْأَنْصَارِ أَبُو بُرَيْدٍ كَعْبٌ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ
بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث 5003)

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے دور میں کس نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا: چار آدمیوں
نے اور وہ سارے کے سارے انصار میں سے تھے یعنی ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید
بن ثابت اور ابو زید رضی اللہ عنہم اجمعین۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے قرآن سیکھنے
کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث 3808)

حضور علیہ السلام کی ایک طویل حدیث ہے جس میں آپ نے مختلف صحابہ کی مختلف نمایاں صفات کو بیان فرمایا۔ اس میں حضرت ابی بن کعب کے تذکرے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَأَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ أَبِي بِنِ كَعْبٍ۔

(جامع الترمذی: رقم الحدیث 3791)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی کو فرمایا: إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ {لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ} قَالَ وَسَمَّيْنِي قَالَ نَعَمْ فَبَكَی

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 3809)

ترجمہ: مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تمہیں سورت {لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ} سناؤں۔ حضرت ابی نے عرض کیا: کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے، فرمایا: ہاں۔ تو حضرت ابی رو پڑے۔

آپ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے شاگرد تھے جن میں سیدنا عمر، سیدنا ابویوب انصاری، سیدنا عبادہ بن صامت، سیدنا سہل بن سعد، سیدنا ابو موسیٰ، سیدنا ابن عباس، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہم شامل ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج 1 ص 177، الاصابہ ج 1 ص 20)

مقام فقہ واجتہاد:

آپ چند ایسے خوش نصیب فقہاء صحابہ میں سے ہیں جو حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وعدة مسروق في الستة من اصحاب الفتيا. (الاصابة ج 1 ص 20)

کہ مشہور تابعی حضرت مسروق رحمہ اللہ ان صحابہ میں شمار کیا کرتے تھے جو

فتویٰ دیا کرتے تھے۔

امام ابن اثیر رحمہ اللہ نے یہی نقل کیا ہے: کان اصحاب القضاء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستة عمر و علی و عبد اللہ و ابی و زید ابو موسیٰ (اسد الغابہ ج 1 ص 90)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چھ صحابہ فتویٰ دیا کرتے تھے وہ چھ تھے یعنی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم۔

ان چھ صحابہ کرام میں پہلا نام حضرت عمر کا ہے مگر سیدنا ابی کی فقاہت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود حضرت عمر بھی بسا اوقات مسائل کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے تاکہ امت کو ان کی فقاہت کا احساس دلایا جاسکے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 18، الاصابہ ج 1 ص 20)

تراویح کے متعلق آپ کا اجتہاد:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی تین راتوں میں تراویح پڑھائی اور مسلسل نہ پڑھانے کی وجہ بیان فرمائی: خَشِيتُ أَنْ تُفَرَّضَ عَلَيَّكُمْ۔ (بخاری و مسلم)

فرضیت کے ڈر سے میں نے جماعت نہیں کرائی کہ امت تنگی میں مبتلا نہ ہو۔

لیکن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے تراویح کی جماعت کو باقی رکھا۔ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، تراویح کی جماعت کو دیکھ کر فرمایا: مَا هَؤُلَاءِ فَقِيلَ هَؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمْ قُرْآنٌ وَأَبِي بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي وَهُمْ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابُوا

وَنَعْمَ مَا صَعُّوا. (سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 1379)

ترجمہ: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو کہا گیا کہ ان لوگوں کو قرآن یاد نہیں ہے ابی بن کعب نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ ان کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے اچھا کیا اور صحیح کیا۔

چونکہ آپ علیہ السلام نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کی تصویب فرمادی، اس لئے اب تراویح کی جتنی رکعات حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے ملیں گی وہ بھی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید شدہ ہوں گی۔

روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں بیس رکعات ہی پڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں: كَانَ أَبْنُ بَنِي كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالْهَدْيَةِ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَيُؤَيِّرُ بِفَلَاحٍ" (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث 7766)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جب تمام لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں باجماعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں بھی بیس رکعت تراویح پڑھائی۔ خود آپ ہی سے مروی ہے: عَنْ أَبِي بَنِي كَعْبٍ أَنَّ عُمَرَ أَمَرَ أَبِيًّا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ التَّهَارُوتَ لَا يُحْسِنُونَ أَنْ يَقْرَأُوا فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! هَذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ. فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ أَحْسَنُ. فَصَلَّى بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً.

(مسند أحمد بن منيع بحوالہ اتحاد الخيرة الماهرة ج 2 ص 424)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ میں رمضان شریف کی رات میں نماز (تراویح) پڑھاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور (رات) قرأت (قرآن) اچھی نہیں کرتے۔ تو قرآن مجید کی رات کو تلاوت کرے تو اچھا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے امیر المومنین! یہ تلاوت کا طریقہ پہلے نہیں تھا۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں جانتا ہوں لیکن یہ طریقہ تلاوت اچھا ہے“ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھائی۔

حضرت حسن بصری سے بھی یہی مروی ہے کہ ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فی قیام رمضان فکان یصلی بہم عشرین رکعة۔

(سنن ابی داؤد ج 1 ص 211 باب القنوت فی الوتر)

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کی امامت پر جمع فرمایا۔ وہ لوگوں کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھاتے تھے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ پورا مہینہ باجماعت بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت ہے، یہی بات حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔

وفات حسرت آیات:

آپ کی وفات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج مسلمانوں کا سر دار دنیا سے رخصت ہو گیا۔

(تذکرۃ الحفاظ: ج 1 ص 18)

(فقہ المسائل)

امام اعظم رحمہ اللہ اور الزام ار جاء!
متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

سوال:

ایک بات کی تحقیق مطلوب ہے کہ کیا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ برا تھا؟ یعنی ایک گمراہ فرقے مرجئہ کے عقیدہ فاسدہ کی طرح تھا۔ کیونکہ ہمیں ایک آدمی نے کتاب دی ہے جس میں مصنف کتاب محمد یوسف جے پوری نے یہ لکھا ہے: ”ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو فی مقتداہیں فرقہ حنیفہ کے، اکثر اہل علم نے ان کو مرجئہ فرقے میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ ایمان کی تعریف اور اس کی کمی و زیادتی کے بارے میں جو عقیدہ مرجئہ کا ہے انہوں نے بھی بعینہ وہی عقیدہ اپنی تصنیف فقہ اکبر میں درج فرمایا ہے۔ علامہ شہرستانی نے ”کتاب الملل والنحل“ میں بھی رجال المرجئہ میں حسام بن ابی سلیمان اور ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد بن حسن وغیرہم کو درج کیا ہے۔ اسی طرح غسان بھی جو فرقہ غسانیہ کا پیشوا ہے ابو حنیفہ کو فرقہ مرجئہ میں شمار کرتا ہے اور..... حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام صاحب کو مرجئہ لکھ دیا۔“

حقیقۃ الفقہ از محمد یوسف: ص 39

براہ مہربانی اس بارے میں وضاحت فرمادیں۔

محمد عبداللہ۔ رحیم یار خان

جواب:

اس اعتراض کی تین شقیں ہیں:

- 1: ایمان کی تعریف اور اس کی کمی زیادتی کے بارے میں جو عقیدہ مرجئہ کا ہے بعینہ وہی عقیدہ امام صاحب نے اپنی ”فقہ اکبر“ میں درج فرمایا۔
 - 2: علامہ شہرستانی نے آپ کو رجال المرجئہ میں شمار کیا ہے اور غسان بھی جو فرقہ غسانیہ کا پیشوا ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو فرقہ مرجئہ میں شمار کرتا ہے۔
 - 3: حضرت پیران پیر نے بھی امام صاحب کو مرجئہ لکھ دیا۔
- ہر شق کا جواب پیش خدمت ہے۔

شق اول کا جواب:

”مرجئہ“ کا لفظ ”ارجاء“ سے ہے، جس کے لغوی معنی ”موخر کرنا“ ہیں، اصطلاحی معنی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ومنه من أراد تأخير القول في الحكم على من أتى الكبائر وترك الفرائض بالنار لأن الإيمان عندهم الإقرار والاعتقاد ولا يضر العمل مع ذلك.

مقدمہ فتح الباری ص ۶۴۶

کہ بعض کے ہاں ”ارجاء“ سے مراد گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فرائض کے تارک پر ”دخول فی النار“ [آگ میں داخل ہونا] کے حکم کو موخر کرنا ہے کیونکہ ان [مرجئہ] کے ہاں ایمان محض اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ ارتکاب کبیرہ اور ترک فرائض ایمان کے ہوتے ہوئے نقصان دہ نہیں۔

سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں:

ثم المرجئہ.....هم طائفة قالوا: لا يضر مع الإيمان ذنب كما لا ينفع مع الكفر طاعة فزعموا ان احدا من المسلمين لا يعاقب على شيء من الكبائر.

شرح فقہ اکبر: ص ۷۵

ترجمہ: مرجئہ ایسا فرقہ ہے جس کا اعتقاد یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان دہ نہیں، جیسے کفر کی موجودگی میں طاعت کچھ فائدہ مند نہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی مسلمان کبیرہ گناہ کی وجہ سے سزا پا ہی نہیں سکتا۔

شیخ الاسلام شیخ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ م 1371ھ فرماتے ہیں: واما الار جاء الذى يعد بدعة فهو قول من يقول: لا تنصر مع الايمان معصية.

(تانیب الخطیب: ص 45)

وہ ار جاء جو بدعت شمار ہوتا ہے وہ اس بات کا اعتقاد کرنا ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کچھ نقصان دہ نہیں۔

محققین کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ فرقہ مرجئہ ضالہ (گمراہ) کا عقیدہ ایمان کے بارے میں یہ ہے کہ ایمان محض اقرار لسانی اور اعتقاد (معرفت) کا نام ہے، اقرار و اعتقاد کے ہوتے ہوئے اگر گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا جائے یا فرائض کو چھوڑا جائے تو کچھ پروا نہیں، ان گناہوں اور معاصی پر سزا ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ عقیدہ اہل السنۃ والجماعت کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کا رد اپنی کتاب ”فقہ اکبر“ میں صراحت سے کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ولا نقول ان حسناتنا مقبولة وسيئاتنا مغفورة كقول المرجئة ولكن نقول المسئلة مبينة مفصلة من عمل حسنة بشرائطها خالية عن العيوب المفسدة والمعاني المبطله ولم يبطلها حتى خرج من الدنيا فان الله تعالى لا يضيعها بل يقبلها منه ويشيبهه عليها۔

الفقه الاكبر مع الشرح: ص 77، 78

ترجمہ: ہمارا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ ہماری نیکیاں مقبول اور گناہ بخشے ہوئے ہیں جیسا کہ مرجئہ کا اعتقاد ہے (کہ ایمان کے ساتھ کسی قسم کی برائی نقصان دہ نہیں اور نافرمان

کی نافرمانی پر کوئی سزا نہیں) بلکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جو شخص کوئی نیک کام اس کی شرطوں کے ساتھ کرے، اور وہ کام تمام مفاسد سے خالی ہو، اور اس کام کو باطل نہ کیا ہو، اور وہ شخص دنیا سے ایمان کی حالت میں رخصت ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اس کو قبول کر کے اس پر ثواب عطا فرمائے گا۔

فقہ اکبر کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ ایمان کے متعلق مرجئہ کا جو عقیدہ ہے امام صاحب نہ صرف اس سے بری ہیں بلکہ اس کا پرزور رد بھی فرماتے ہیں۔

رہا ایمان کی تعریف اور اس میں کمی وزیادتی کا مسئلہ تو اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اعتقاد یہ ہے کہ ایمان معرفت، تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کا نام ہے، اعمال ظاہریہ ایمان مطلق کے اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں بلکہ مکمل ایمان ہیں، یعنی ان کی کمی وزیادتی کی وجہ سے نفس ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا، ہاں البتہ کمال ایمان کم زیادہ ہوتا رہتا ہے یعنی اس میں شدت وضعف آتا رہتا ہے۔ چنانچہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: والایمان هو الاقرار والتصدیق وایمان اهل السماء والارض لا یزید ولا ینقص۔ (الفقہ الاکبر مع الشرح: ص 87، 85)

ترجمہ: ایمان؛ اقرار (لسانی) اور تصدیق (قلبی) کا نام ہے، آسمان وزمین والوں کا ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ۔

اور کتاب الوصیۃ میں فرماتے ہیں: الایمان۔۔۔ اقرار باللسان وتصدیق بالجنان ومعرفۃ بالقلب۔ (ص 27)

ترجمہ: ایمان؛ اقرار لسانی، تصدیق و معرفت قلبی کا نام ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن وسنت میں ایمان کا تعلق قلب سے بیان

کیا گیا ہے۔

1: وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ. (النحل: 106)

ترجمہ: اور اس کا دل ایمان پر مطمئن رہے۔

2: وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ. (الحجرات: 14)

ترجمہ: ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

3: أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ. (المجادلة: 22)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا۔

4: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک جنگ کے موقع پر ایک آدمی کو

قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو

عرض کیا کہ اس نے تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا تھا: افلا شققت عن قلبه حتى تعلم اقالها ام لا؟

(صحیح مسلم ج 1 ص 67، 68 باب تحریم قتل الکافر بعد تولہ لا الہ الا اللہ)

ترجمہ: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ اس نے تلوار کے ڈر سے پڑھا ہے یا نہیں؟

اسی طرح اعمال کی کمی و زیادتی کی وجہ سے کمال ایمان بڑھتا اور کم ہوتا ہے

یعنی آدمی نیک یا فاسق شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں:

المضیع للعمل لم یکن مضیعاً للإیمان... اولست تقول: مومن ظالم،

ومومن مذنب، ومومن مخطئ، ومومن عاص، ومومن جائر... ومن اصاب

الإیمان وضیع شیئاً من الفرائض کان مومناً مذنباً.

(الرسالۃ الی عثمان البقی للامام ابی حنیفہ ص 38)

ترجمہ: اعمال کو ضائع کرنے والا ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہوتا۔ کیا آپ یہ

نہیں کہتے کہ مومن ظالم، مومن گنہگار، مومن خطا کار، مومن عاصی، اس لیے جو

شخص ایمان لایا اور کچھ فرائض ضائع کر دیے تو یہ مومن گنہگار ہو گا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ م ۱۰۱۴ھ شرح فقہ اکبر میں ایمان کی کمی وزیادتی کے بارے میں امام صاحب کا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فمعناه انه يزيد باعتبار اعماله الحسنة حتى يدخل صاحبه الجنة دخولا
اوليا، وينقص بارتكاب اعماله السيئة حتى يدخل صاحبه النار اولاً، ثم يدخل
الجنة بايمانه آخر كما هو مقتضى اهل السنة والجماعة. (ص 88)

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان اعمالِ حسنہ کے اعتبار سے بڑھتا ہے یہاں تک کہ اعمالِ صالحہ کرنے والا دخولِ اولیٰ کے اعتبار سے جنت میں داخل ہو گا اور ایمان اعمالِ سیئہ کرنے سے کم ہوتا ہے یہاں تک کہ مرتکبِ گناہ پہلے تو آگ میں داخل ہو گا، پھر آخر کار اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا، جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

لیکن فرقہ مرجئہ ضالہ کا ایمان کی تعریف اور کمی وزیادتی کے بارے میں جو موقف ہے وہ امام صاحب کے موقف سے بالکل جدا ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ م 1304ھ فرماتے ہیں: ان المرجئة يكتفون في الايمان بمعرفة الله ونحوه ويجعلون ما سوى الايمان من الطاعات وما سوى الكفر من المعاصي غير مضرة ولا نافعة. (الرفع والتكليل: ص 360)

ترجمہ: فرقہ مرجئہ والے ایمان کے بارے میں اللہ کی معرفت وغیرہ پر اکتفاء کرتے ہیں اور ایمان کے علاوہ جتنی بھی طاعات ہیں اور کفر کے علاوہ جتنے معاصی ہیں، سب کو نہ نقصان دہ سمجھتے ہیں نہ نفع مند۔

امام عبد القاہر البغدادی م 429ھ فرقہ مرجئہ کے پیرو غسان مرجئی کے

بارے میں لکھتے ہیں: قال انه يزيد ولا ينقص.. وزعم غسان هذا في كتابه ان قوله في هذا الكتاب كقول أبي حنيفة فيه وهذا غلط منه عليه لأن أبا حنيفة قال إن الإيمان هو المعرفة والاقرار بالله تعالى وبرسوله وبما جاء من الله تعالى ورسوله في الجملة دون التفصيل وانه لا يزيد ولا ينقص.... وغسان قد قال بأنه يزيد ولا ينقص.. (الفرق بين الفرق: ص 188)

ترجمہ: غسان مرجئی کہتا ہے کہ ایمان بڑھتا تو ہے کم نہیں ہوتا۔ اس غسان نے اپنی کتاب میں یہ کہا ہے کہ اس کا یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی طرح ہے، لیکن امام صاحب کے بارے میں اس کی یہ بات غلط ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو یہ کہتے ہیں کہ ایمان معرفت، اللہ اور رسول کے اقرار اور ان چیزوں کے اجمالی اقرار کا نام ہے جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آئی ہیں بغیر تفصیل کے، اور یہ نفس ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ، لیکن غسان مرجئی کہتا تھا کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے، کم نہیں ہوتا۔

امام عبد القادر بغدادی رحمہ اللہ کی اس وضاحت اور امام صاحب کے مذکورہ مؤقف و دلائل سے معلوم ہوا کہ ایمان کی تعریف و کمی زیادتی کے بارے میں آپ کا نظریہ مرجئہ ضالہ کے نظریہ کے خلاف ہے۔ مؤلف حقیقۃ الفقہ کا ان دونوں کو ”بعینہ“ کے لفظ سے ایک شمار کرنا محض اتہام والزام ہے۔

شق ثانی کا جواب:

جیسا کہ واضح ہو چکا ہے کہ امام صاحب کا مؤقف ایمان کے بارے میں یہ ہے کہ ایمان معرفت، تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کا نام ہے، اعمال ظاہرہ نفس ایمان کے اجزاء نہیں، البتہ مکمل ایمان ضرور ہیں۔

محدثین حضرات کا اس بارے میں موقف یہ ہے کہ اعمال ایمان کی جزء ہیں، لیکن اگر کوئی شخص ترک اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو محدثین کے نزدیک یہ شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ محدث عصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فاکثر المحدثین الى ان الايمان مركب من الاعمال .. وان جعلوا الاعمال اجزاء لكن لا بحيث ينعدم الكل بانعدامها بل يبقى الايمان مع انتفاءها (فیض الباری: ج 1 ص 54)

ترجمہ: اکثر محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان اعمال سے مرکب ہے۔ انہوں نے اعمال کو اگرچہ ایمان جزء قرار دیا ہے لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ اگر اعمال نہ ہوں تو ایمان ختم ہو جائے بلکہ ایمان اعمال کے نہ ہونے کے باوجود باقی رہتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایمان کی تعریف میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور محدثین حضرات کے درمیان اختلاف محض لفظی ہے، کیونکہ دونوں کے موقف کا حاصل یہ ہے کہ اعمال کے ترک کرنے کی وجہ سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا، البتہ فاسق و فاجر ضرور ہوتا ہے۔ محققین حضرات نے اس اختلاف کے محض لفظی ہونے کی تصریح فرمائی ہے:

ملا علی قاری رحمہ اللہ 1014ھ	شرح الفقہ الاکبر: ص 87
مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ 1352ھ	فیض الباری: ج 1 ص 54
شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ 1417ھ	التعلیق علی قواعد فی علوم الحدیث ص 239

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اس موقف کے دیگر فقہاء و محدثین چونکہ اعمال کو ایمان سے الگ چیز مانتے ہیں، اس لیے بعض محدثین کی طرف سے انہیں لغتہً مرجئہ (موخر کرنے والے) کہا گیا ہے، لیکن اس معنی میں ہرگز نہیں جس معنی میں فرقہ

ضالہ مرجئہ ہیں۔ چنانچہ امام جمال الدین بن یوسف المرزی رحمہ اللہ م ۷۴۲ھ امام ابراہیم بن طہمان الخراسانی المکی کے حالات میں لکھتے ہیں: وقال أبو الصلت عبد السلام بن صالح الهروي سمعت سفيان بن عيينة يقول ما قدم علينا خراساني أفضل من أبي رجاء عبد الله بن واقد الهروي، قلت له: فإبراهيم بن طهمان؟ قال كان ذاك مرجئاً، قال أبو الصلت: لم يكن إرجاً وهم هذا المذهب الخبيث أن الإيمان قول بلا عمل وأن ترك العمل لا يضر بالإيمان بل كان إرجاً وهم أنهم يرجون لأهل الكبائر الغفران رداً على الخوارج وغيرهم الذين يكفرون الناس بالذنوب۔ (تہذیب الکمال للمرزی ج 1 ص 253)

ترجمہ: ابو الصلت عبد السلام بن صالح الهروي رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے سفیان بن عیینہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے پاس ابو رجاء عبد اللہ بن واقد الهروی سے بہتر کوئی خراسانی نہیں آیا۔ تو میں نے عرض کیا: ابراہیم بن طہمان کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فرمایا: وہ مرجئہ تھے۔ ابو الصلت فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا مرجئہ ہونا اس خبیث مذہب کی بنیاد پر نہ تھا کہ ایمان صرف قول کا نام ہے عمل کے بغیر اور ترک عمل ایمان کے لیے مضر نہیں، بلکہ ان کا مرجئہ ہونا اس معنی میں تھا کہ یہ حضرات خوارج کے عقیدہ کے خلاف اہل کبار کے لیے مغفرت کی امید رکھتے تھے، کیونکہ خوارج یہ کہتے تھے کہ لوگ گناہ کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں اور (یہ حضرات اہل کبیرہ کے لیے) مغفرت کی امید رکھتے اور گناہ کی وجہ سے انہیں کافر قرار نہ دیتے تھے۔

اور ایسا رجاء بدعت نہیں بلکہ عین اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے موافق ہے۔ علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فإن رجاء العمل من أن يكون من أركان الإيمان الأصلية هو السنة، وأما الإرجاء الذي يعد بدعة، فهو قول من يقول: لا تنظر مع الإيمان معصية۔ (تانیب الخطیب: ص 45)

ترجمہ: ”ارجاء عمل“ یعنی عمل کو ایمان کے ارکان اصلیہ سے مؤخر شمار کرنا ارجاء سنت ہے اور وہ ارجاء جو بدعت شمار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی بندہ یہ کہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کرنا کچھ نقصان دہ نہیں۔

علامہ شہرستانی رحمہ اللہ کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو رجال المرجئہ میں شمار کرنے کی حقیقت بالکل واضح ہے کہ آپ رحمہ اللہ کا شمار مرجئہ اہل السنۃ میں کرتے ہیں، جو عین سنت ہے، نہ کہ مرجئہ ضالہ میں جو ایک بدعتی فرقہ ہے۔ چنانچہ رجال المرجئہ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وهؤلاء كلهم أئمة الحديث لم يكفروا أصحاب الكبائر بالكبيرة ولم يحكموا بتخليدھم في النار خلافا للخوارج والقدیة۔ (الملل والنحل: ص 169)

ترجمہ: یہ تمام کے تمام (بشمول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) ائمہ حدیث تھے، گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہ دیتے تھے اور خلود فی النار کا حکم بھی نہ لگاتے تھے، بخلاف خوارج اور قدیریہ کے (کہ وہ ایسا کرتے تھے)

اگر یہ حضرات مرجئہ ضالہ میں سے ہوتے تو ان کا بھی وہی عقیدہ بیان فرماتے جو مرجئہ ضالہ کا ہے اور انہیں ”ائمۃ الحدیث“ کا لقب ہرگز نہ دیتے۔ نیز علامہ شہرستانی رحمہ اللہ نے بھی انہی رجال مرجئہ میں چند اور نام بھی گنوائے ہیں جو بخاری و مسلم وغیرہ کے راوی ہیں۔

سعید بن جبیر	صحاح ستہ
طلق بن حبیب	ادب المفرد للبخاری، مسلم اور سنن اربعہ
عمرو بن مرہ	صحاح ستہ
محارب بن دثار	صحاح ستہ

ذریعہ عبد اللہ	صحابہ سہ
----------------	----------

معتزض نے امام صاحب کا نام تو لیا لیکن ان حضرات کا تذکرہ تک نہ کیا کیونکہ ان کا تذکرہ کرتے تو اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا اور یہ حقیقت کھل جاتی کہ یہ مرجئہ ضالہ میں سے نہیں، بلکہ مرجئہ سنیہ میں سے ہیں۔

معتزض کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ غسان مرجئی امام صاحب کو مرجئہ شمار کرتا تھا۔ اس کے لیے علامہ شہرستانی رحمہ اللہ کی عبارت نقل کر دینا کافی و وافی ہے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ومن العجیب أن غسان كان يحكي عن أبي حنيفة رحمه الله مثل مذهبه ويعده من البرجئة ولعله كذب كذلك عليه لعمرى كان يقال لأبي حنيفة وأصحابه مرجئة السنة. (الملل والنحل: ص 164)

ترجمہ: اور عجیب بات یہ ہے کہ غسان مرجئی امام صاحب کی طرف منسوب کر کے اپنا باطل مذہب بیان کرتا تھا اور امام صاحب کو مرجئہ شمار کرتا تھا، اور یہ امام صاحب پر اس کا جھوٹ ہے۔ میری زندگی کی قسم! امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب کو ”مرجئہ السنة“ کہا جاتا ہے۔

یہی بات علامہ عبد القاہر بغدادی رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔

(الفرق بین الفرق: ص 188)

شق ثالث کا جواب:

اکابر علماء کرام نے اس کی تحقیق کرتے ہوئے یہ بات فرمائی ہے کہ حنفیہ کا ذکر فرق ضالہ میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے نہیں کیا، بلکہ کسی متعصب نے محض بغض و عناد کی وجہ سے بعد میں یہاں لکھ دیا ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الرد المتین علی منتقض العارف محی الدین“ میں فرماتے ہیں:

تلك العبارة مدسوسة مكذوبة على الشيخ.

بحوالہ الرفع والتكمیل: ص ۳۸۱

ترجمہ: یہ عبارت حضرت شیخ رحمہ اللہ کے کلام میں داخل کی گئی ہے، حضرت شیخ رحمہ اللہ پر محض جھوٹ بولا گیا ہے۔ [فی الواقع حضرت کے کلام میں نہیں ہے]
علامہ الہند عبدالحکیم بن شمس الدین الفاضل سیالکوٹی ”غنیۃ الطالبین“ کے فارسی ترجمہ میں رقمطراز ہیں:

بداں کہ ذکر حنفیہ در فرق مرجئہ و گفتن کہ ایمان نزد ایشان معرفت است
واقرار خلاف مذهب این طائفہ است کہ در کتب مقرر است و شاید این را بعض
مبتدعان بہ بغض این فرقہ داخل کردہ اند این را در کلام شیخ۔

(غنیۃ الطالبین مترجم فارسی ص 230)

ترجمہ: جان لیجیے کہ مرجئہ کے فرقوں میں ”حنفیہ“ کا ذکر کرنا اور یہ کہنا کہ ایمان ان کے
ہاں محض معرفت اور اقرار کا نام ہے، یہ اس گروہ [حنفیہ] کے اعتقاد کے خلاف ہے،
جیسا کہ ان کی کتب میں درج ہے۔ لگتا یہی ہے کہ یہ عبارت کسی بدعتی نے جو اس گروہ
حنفیہ سے بعض رکھتا ہے، شیخ کے کلام میں داخل کر دی ہے۔

بالفرض اگر یہ عبارت الحاقی نہ بھی ہو تب بھی مؤلف حقیقۃ الفقہ کا یہ جملہ: ”حضرت
پیران پیر رحمہ اللہ نے بھی امام صاحب کو مرجئہ لکھ دیا“

حضرت شیخ پر زرا بہتان ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت شیخ نے امام
ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو فرقہ مرجئہ ضالہ میں داخل نہیں کیا، بلکہ ان لوگوں کو مرجئہ کہا جو
فروعات میں اپنی نسبت امام صاحب کی طرف کر کے خود کو ”حنفی“ کہلاتے اور عقائد
میں امام صاحب کے مخالف تھے، جیسا کہ غسان مرغئی وغیرہ۔ لہذا حضرت شیخ کے کلام
واما الحنفیۃ فہم بعض اصحاب ابی حنیفۃ۔ (غنیۃ الطالبین ص 230)

میں ان ”بعض اصحاب ابی حنیفہ“ سے یہی لوگ مراد ہیں۔ عمدۃ

المتاخرین حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ 1304ھ فرماتے ہیں:

مفاد عبارة الغنية ان الحنفية الذين هم فرع من فروع المرحئة
الضالة اصحاب ابی حنیفہ الذين يقولون ان الايمان هو المعرفة والاقرار بالله
ورسوله وهذا لا ينطبق الا على الغسانية فيكون هو المراد من الحنفية لما عرفت
سابقا ان غسان الكوفي كان يحكي مذهبه الخبيث عن ابی حنیفہ ويعدّه كنفسه
من المرحئة. (الرفع والتكميل: ص ۳۸۷)

ترجمہ: غنیۃ الطالبین کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ”حنفیہ“ جو مرجئہ ضالہ کی ایک
قسم ہے، اس سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے وہ پیروکار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان
فقط معرفت اور اقرار باللہ ورسولہ کا نام ہے اور یہ صرف فرقہ ”غسانیہ“ پر صادق آتا
ہے، اور یہاں حنفیہ سے مراد یہی فرقہ غسانیہ ہے (نہ کہ امام صاحب اور ان کے دیگر
پیروکار) کیونکہ آپ پہلے جان چکے ہیں کہ غسان کوفی اپنا خبیث عقیدہ امام صاحب کی
طرف منسوب کر کے بیان کرتا تھا اور امام صاحب کو بھی اپنی طرح مرجئہ شمار کرتا
تھا۔ واضح رہے کہ آپ کی ذکر کردہ کتاب ایک گمراہ و متعصب مصنف کی ہے جو فقہ و
فقہاء سے عداوت میں تجاوز کر چکا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اجتناب کیجیے، صحیح العقیدہ
علماء سے رابطہ رکھیے اور اہل السنۃ والجماعۃ مصنفین و محققین کی کتب کا مطالعہ کیجیے۔

قسط نمبر 2

تذکرۃ الاکابر:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد عبداللہ معتمد حفظہ اللہ

تصوف و سلوک:

حضرت شیخ رحمہ اللہ زمانہ طالب علمی 1333ھ میں فخر الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے شیخ کے ہمراہ 1339ھ میں پہلا اور 1344ھ میں دوسرا حج کیا۔ دوسری مرتبہ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ چونکہ مدینہ منورہ میں مستقل قیام کے ارادہ سے گئے تھے، اس لیے آپ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے لیے ”شیخ الحدیث“ کے عہدہ اور مظاہر العلوم کے نائب ناظم کے منصب کے لیے تحریر لکھ کر دی۔

رخصت کرنے سے پہلے چاروں سلسلوں میں بیعت و ارشاد کی عام اجازت عطا فرمائی اور اس کے لیے بڑا اہتمام فرمایا۔ چنانچہ اپنے سر سے عمامہ اتار کر مولانا سید احمد صاحب کو دیا کہ حضرت شیخ کے سر پر رکھ دیں، جس وقت وہ عمامہ حضرت شیخ کے سر پر رکھا گیا آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ چیخیں نکل گئیں جن کو دیکھ کر حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ بھی آبدیدہ رہ گئے۔ اسی لیے حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ عمامہ رکھتے ہی مجھے اپنے اندر کوئی چیز آتی ہوئی محسوس ہوئی اس سے میں سمجھا کہ انتقال نسبت کی شاید یہی حقیقت ہے۔

خلفائے مجازین:

یوں تو حضرت شیخ رحمہ اللہ کے مریدین عرب و عجم میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن

سوسے زائد ایسے حضرات ہیں جن کو آپ نے اجازت و بیعت کے ساتھ خرقہ خلافت سے نوازا ہے، صرف چند مشہور حضرات کے نام درج ذیل ہیں۔

- 1: حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ
- 2: حضرت مولانا سعید احمد خان مہاجر مدنی رحمہ اللہ
- 3: حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ
- 4: حضرت مولانا مفتی زین العابدین رحمہ اللہ [فیصل آباد]
- 5: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ
- 6: حضرت مولانا سید مختار الدین صاحب دامت برکاتہم [کوہاٹ]
- 7: حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری رحمہ اللہ
- 8: حضرت مولانا عبد الحفیظ مکی مدظلہ
- 9: حضرت مولانا عزیز الرحمن ہزاروی مدظلہ

تصنیف و تالیف:

تصنیف و تالیف حضرت شیخ کی حیات مبارکہ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ حضرت مولانا محمد شاہد سہارنپوری [جو حضرت کے نواسے ہیں] کی تحقیق کے مطابق 1975ء تک آپ کی کتب کی تعداد 89 تھی لیکن اب ان کی تعداد سو سے زائد ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی چند مشہور کتب یہ ہیں۔

1: لامع الدراری:

جو قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے دروس بخاری کے افادات کا مجموعہ ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے حواشی مفیدہ کے ساتھ ساتھ لامع الدراری کے شروع میں ایک مفصل مقدمہ بھی ملحق فرمایا ہے جو بہت ہی زیادہ

قیمتی ہے۔ اس مقدمہ میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی سوانح حیات، ان کے مناقب، مشائخ بخاری، خاص کر مشائخ حنفیہ، خصوصیت الکتاب، ثلاثیات بخاری، شروح بخاری، طبقات الرواة اور اسانید وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور خوب تفصیل کے ساتھ مصنف اور مصنف کے بارے میں اپنی معلومات پیش فرمائی ہیں، نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مقدمہ فتح الباری کے بعد یہ پہلا مقدمہ ہے جو اس قدر تفصیل سے لکھا گیا ہے اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے شاگردوں کی عظیم کاوش کے بعد اب یہ کتاب "الکنز المتواری فی معادن البخاری و صحیح البخاری" کے نام سے چوبیس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ جو کہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔

1: صحیح بخاری کا متن۔

2: امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی درسی تقریر۔

3: حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تعلیقات اور ابواب و تراجم بخاری کی توضیح

الکوکب الدرر علی جامع الترمذی:

یہ کتاب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے درس ترمذی کے افادات کا مجموعہ ہے جس کو حضرت شیخ کے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ نے زمانہ طالب علمی میں عربی میں لکھا تھا، پھر حضرت شیخ نے اپنے قیمتی عربی حواشی سے مزین فرما کر شائع کرنے کا اہتمام فرمایا۔

اوز المسالک الی موطا امام مالک:

یہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی مشہور و معروف کتاب موطا کی ضخیم شرح ہے جس کی تالیف میں تیس سال سے زائد عرصہ صرف ہوا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اوز میں اختلاف مذاہب اور متن کی مناسبت سے مالکی مذہب کے مسائل ان کی

کتب سے منقح فرمایا کر تحریر فرمائے ہیں ان کے بارے میں سید علوی مالکی مدرس مسجد حرام مکہ مکرمہ فرماتے ہیں جس قدر ہمارے مذاہب کے مسائل اوجز میں دیکھنے میں آئے ہیں وہ ہم کو بھی معلوم نہ تھے۔ ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کے مذاہب اور دلائل مع ترجیح الراجح اور بحث نادرہ جو شرح کے اندر سمو دی گئی ہیں اس کو تو حضرات محدثین کرام ہی سمجھ سکتے ہیں۔

[سوانح عمری ص 431]

یہ 16 جلدوں میں بیروت سے شائع ہو کر لائبریریوں کی زینت بن چکی ہے

التقریر الرفیع بمشکوۃ المصابیح:

جس کو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے زمانہ طالب علمی میں مختصر لکھا۔ پھر جب 1341ھ میں پہلی مرتبہ مشکوۃ پڑھانے کا موقع ملا تو اس کو سامنے رکھ کر حواشی اور شروح کی مدد سے دوبارہ تصنیف فرمائی جو کہ تین جلدوں میں شائع ہو کر عرب و عجم کے مدارس میں پزیرائی حاصل کر چکی ہے۔

آپ بیتی:

یہ دو جلدوں میں ہے اس میں حضرت شیخ الحدیث برکتہ العصر مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے گوشوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تکلف نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بطور خاص طلباء کرام کے لیے یہ کتاب بہت خاصے کی چیز ہے۔

.....جاری ہے

فضائل اعمال اور اعتراضات کا علمی جائزہ

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

چند اصولی باتیں:

1: ان رسائل ﴿فضائل اعمال﴾ کو لکھنے کا مقصد لوگوں میں دینی شعور پیدا کرنا اور لوگوں کو یقین و عمل والی زندگی کا راستہ دکھانا تھا۔

2: حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے عوام الناس کو سامنے رکھ کر یہ رسائل لکھے ہیں۔

3: ان کتب فضائل میں اسلامی احکامات، عقائد، حلال و حرام سے بحث کا ارادہ نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا خوف، جنت کا شوق، قبر و آخرت کی ہولناکی، نیک کاموں پر اجر و انعام اور برے کاموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب، سابقہ اقوام کے سبق آموز اور عبرت ناک واقعات، صحابہ، صحابیات اور اولیاء امت کے قابل تقلید اور قابل رشک عملی زندگی کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کو پڑھ کر دل میں عبادت کا ولولہ اور عمل کا شوق بڑھتا ہے۔

4: چونکہ حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے عوام الناس کو سامنے رکھ کر یہ رسائل لکھے ہیں اس لیے حدیث کی اصطلاحات جو کہ صرف علماء کرام کے جاننے کی چیز ہے، کو ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی عوام الناس میں اس کا تذکرہ فائدہ مند تھا۔

5: شیخ الحدیث رحمہ اللہ جب بھی کسی چیز کا بیان شروع کرتے ہیں تو سب سے پہلے آیات قرآنیہ ذکر فرما کر اس کے ذیل میں فائدے کے عنوان سے اس کی معتبر

تفسیر ذکر فرماتے ہیں۔

6: اس کے بعد اس بات سے متعلق احادیث صحیحہ کا انتخاب فرماتے ہیں۔ ہاں اگر صحیح احادیث اس بارے میں نہ مل رہی ہوں تو دیگر جلیل القدر محدثین کے اسلوب کے مطابق ضعیف احادیث لے آتے ہیں۔

7: حضرت الشیخ رحمہ اللہ چونکہ بر صغیر کے جلیل القدر، راسخ العلم اور نامور عالم دین تھے اور علم حدیث و علم اصول حدیث سے بھی آشنا واقف تھے، اس لیے جب بھی ضعیف حدیث ذکر کرتے ہیں تو اکثر مقامات پر اس حدیث کے دیگر مؤیدات اور متابعات یعنی ملتی جلتی چند اور بھی احادیث ذکر کرتے ہیں تاکہ حدیث کے ضعف میں کمی آئے اور وہ ”حسن“ درجہ کو پہنچ جائے۔

8: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا اپنے ان تمام رسائل ”فضائل اعمال“ میں یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی ایسی حدیث آجائے جس پر محدثین کا آپس میں دلائل کی بنیاد پر کچھ اختلاف ہو تو مصنف حدیث کے صحیح ہونے کو ترجیح دے کر ذکر فرماتے ہیں۔

9: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اسناد اور رجال پر بحث ذکر نہیں کی کیونکہ یہ کتاب عوام الناس کی رعایت رکھ کر تالیف کی گئی تھی اور عوام جن کو وضو اور طہارت کے بنیادی مسائل سے بھی آگاہی نہیں ہوتی، ان کو علم اصول حدیث کی بحثوں میں الجھانا فائدہ مند نہیں۔

10: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے معجزات، صحابہ و صحابیات، تابعین، اولیاء اللہ اور مشائخ صوفیاء کی حکایات و واقعات اور ان کی کرامات بھی ذکر کی ہیں۔ اس لیے معجزہ اور کرامت کو سمجھ

لینا اور اس کے بعد ان کی شرعی حیثیت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لیے بنیادی طور پر دو باتوں کو سمجھ لینا چاہیے:

1. معجزہ کسے کہتے ہیں؟
2. معجزے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

معجزہ کسے کہتے ہیں؟

علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی فرماتے ہیں: **أَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ مِنْ قِبَلِ شَخْصٍ مُقَارِنٍ لِدَعْوَى النُّبُوَّةِ**۔ (کتاب التعریفات ص 129، وکذا فی النبراس)
ترجمہ: وہ خلاف عادت کام جو ایسے شخص سے ظاہر ہو جو دعویٰ نبوت کرتا ہو، اسے معجزہ کہتے ہیں۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **المعجزة هي امر يظاھر بخلاف العادة على يد مدعی النبوة عند تحدی المنکرین علی وجه يعجز المنکرین عن الاتیان بمثله**
(شرح العقائد للنسفی: ص 146)
ترجمہ: یعنی معجزہ وہ امر ہے جو خلاف معمول اور عادت جاریہ کے خلاف ایسے شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہو جو اپنے دعویٰ نبوت میں سچا ہو اور ایسے وقت میں ظاہر ہو کہ جب وہ منکرین کو اس کی مثل لانے کا چیلنج دے اور وہ نہ لاسکیں یعنی اس سے عاجز آجائیں۔

چند معجزات؛ آیات قرانیہ کی روشنی میں

حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ:

وَيَقَوْمٍ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ۔ (سورۃ ہود: 64)

ترجمہ: اے قوم! یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لیے نشانی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ:

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ۔ (سورة الانبياء: 69)

ترجمہ: ہم نے کہا: اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ:

يَا جِبَالُ اَوْبِي مَعَهُ وَالظَّيْرُ وَالنَّالَهُ الْحَدِيدَ۔ (سورة سبا: 10)

ترجمہ: ”اے پہاڑو! تم بھی تسبیح میں ان کے ہم آواز بن جاؤ اور اے پرندو! تم بھی۔“
اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو بھی نرم کر دیا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَطِقَ الطَّيْرِ۔ (سورة النمل: 16)

ترجمہ: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ۔ (سورة ص: 36)

ترجمہ: ہم نے اس کے لیے (یعنی سلیمان علیہ السلام کے لیے) ہوا کو تابع کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ:

فَالْقَهْقَرَاءُ إِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى۔ (طہ: 20)

ترجمہ: تو اس (عصا) کو ڈال دیا تو وہ اسی وقت سانپ بن کر دوڑ پڑا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ:

وَاصْمُ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ۔ (طہ: 22)

ترجمہ: اور ملا لے اپنا ہاتھ اپنی بغل سے کہ نکلے سفید ہو کر بلا عیب، نشانی ہے دوسری۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف معجزات:

إِنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ
وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ. (ال عمران: ۴۹)

ترجمہ: میں بنادیتا ہوں تم کو گارے سے پرندے کی شکل پھر اس میں پھونک
مارتا ہوں تو وہ اڑتا ہوا جانور بن جاتا ہے اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد
اندھے کو اور کوڑھی کو اور جلاتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات آیات قرآنیہ سے ثابت
ہیں، ان میں سب سے بڑا معجزہ --- زندہ معجزہ --- قرآن کریم ہے، جس کی مثل
لانے سے دنیا آج تک عاجز ہے اور ان شاء اللہ رہے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا
شُهَدَاءَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ. (سورة البقرہ: 24)

ترجمہ: اگر تمہیں اس قرآن میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا شک ہے تو اس جیسی
ایک چھوٹی سی سورت بنا کر لاؤ اور اپنے مددگاروں کو بلاؤ اللہ کے علاوہ، اگر تم سچے ہو۔

معجزے کی شرعی حیثیت:

معجزات پر ایمان لانا ضروری ہے خاص طور پر جو معجزات دلائل قطعیہ سے
ثابت ہیں ان کا انکار (نہ ماننا) کفر ہے اور جو معجزات دلائل قطعیہ سے ثابت نہیں ان کا
انکار کرنا گمراہی و ضلالت ہے۔

(کشف الاسرار شرح اصول بزدوی ج 3 ص 694)

جاری ہے

آخری قسط

تعارف کتب فقہ

فتاویٰ تاتار خانہ

مفتی محمد یوسف حفظہ اللہ

مؤلف کا طرز تحریر:

علامہ عالم بن العلاء الحنفی رحمہ اللہ نے فتاویٰ تاتار خانہ کو جس اسلوب سے مرتب فرمایا وہ نہایت دلشین، سہل اور عام فہم ہے، پیچیدگی اور الجھن سے دور ہے۔ پڑھنے والا روانی اور تسلسل کے ساتھ پڑھتا چلا جاتا ہے، ذہن پر بوجھ پڑتا ہے نہ آنکھ تھکتی ہے۔ فاضل مؤلف نے سہولت کے پیش نظر مختلف عنوانات قائم کر کے مسائل کو ان کے تحت ذکر کیا ہے۔

سب سے پہلے لفظ ”کتاب“ کے ساتھ ”بنیادی لفظ“ جوڑ کر ”مرکزی عنوان“ قائم کرتے ہیں۔ مثلاً کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم وغیرہ۔ اس کے بعد مذکورہ عنوان کا لغوی معنی کبھی تو اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں اور کبھی کسی دوسری کتاب کے حوالے سے نقل فرمادیتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر ”الخلاصہ“ کا عنوان قائم کرتے ہیں۔ اس کے تحت مذکورہ موضوع سے متعلق اہم مسائل و جزئیات کو ذکر کرتے ہیں۔ اس سے فراغت کے بعد وہ مرکزی عنوان جتنی ”فصول“ پر مشتمل ہوتا ہے، اس کی تعداد بتلاتے ہیں۔ پھر ”الفصل الاول، الفصل الثانی“ کا عنوان باندھتے ہیں اور ہر ہر فصل کے تحت جتنے مسائل ہوتے ہیں انہیں انواع پر تقسیم کر کے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کتاب الطہارۃ کی ترتیب اس طرح ہے۔

کتاب الطہارۃ: المضمرات: الطہارۃ فی اللغۃ النظارۃ: وفي الشرع عبارة عن غسل اعضاء مخصوصة بصفة مخصوصة، الخلاصة: اعلم بان الطہارۃ شرط جواز الصلوۃ..... هذا الكتاب يشتمل على تسعة فصول: الفصل الاول فی الوضوء وهو يشتمل على انواع: نوع منه فی بیان فرائضه: فنقول فرض الوضوء غسل الوجه..... نوع منه فی تعلیم الوضوء..... نوع منه فی بیان سنن الوضوء وآدابه..... الخ

کبھی کبھی فاضل مؤلف مرکزی عنوان کی لغوی واصطلاحی تعریف ذکر کیے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں اور اس مرکزی عنوان سے متصل بعد یہ بتلا دیتے ہیں کہ یہ کتاب اتنی اتنی فصول پر مشتمل ہے۔ پھر چند ایک اہم جزئیات بیان کرنے کے بعد حسب سابق پہلے ”فصل“ پھر ”نوع“ کا عنوان قائم کر کے مسائل ذکر کرتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً کتاب الصلوۃ کو اس طرز پر تحریر فرمایا ہے: کتاب الصلوۃ: هذا الكتاب يشتمل على خمسة وثلاثين فصلاً، في الخلاصة: الصلوات الخمس فريضة على المسلمين العاقلين البالغين من الرجال والنساء دون الحائض والنفساء في المواقف المعروفة.. الفصل الاول في المواقف.. هذا الفصل يشتمل على انواع: الاول في بيان اول المواقف وآخرها.. نوع آخر في بيان فضيلة الاوقات..... الخ

مذکورہ تفصیل کی بنیاد پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ فتاویٰ تاتار خانیہ میں ہر فصل کے تحت لازمی طور پر نوع کا عنوان ہوتا ہے کیونکہ ایسے مسائل کی بھی کمی نہیں جنہیں علامہ مرحوم نے صرف فصل کے تحت ہی ذکر کیا ہے۔ اس کے تحت نوع وغیرہ کا عنوان قائم نہیں کیا۔

مصادر و مراجع:

فتاویٰ تاتار خانیہ کی تالیف کے وقت فاضل مؤلف کے پیش نظر فقہ حنفی کی

درجنوں اہم اور قابل ذکر کتابیں تھیں۔ جن میں سے تیس کتابوں کا ذکر خود مؤلف نے کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے۔

ان تمام کتابوں کا کامل احاطہ اور مکمل تعارف تو ممکن نہیں البتہ اس سلسلے میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے چند معروف کتابوں کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔

1: فتاویٰ خانہ

اسے فتاویٰ قاضی خان بھی کہتے ہیں امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی رحمہ اللہ (592ھ) کی تصنیف ہے۔ مصنف قاضی خان کے نام سے مشہور ہیں فتاویٰ خانہ ایک مشہور و مقبول کتاب ہے۔ علماء فقہ حنفیہ کے بیشتر فتاویٰ کا مرجع یہی ہے۔ یہ ان تمام مسائل کا مجموعہ ہے جن کی اکثر ضرورت پیش آتی ہے۔ اس میں تقریباً ہر فقہی مسئلے کا مأخذ [اصل حوالہ] بتایا گیا ہے۔ اور جس مسئلے میں متاخرین فقہاء کے اقوال زیادہ ہیں ان میں سے ایک یا دو قول ذکر کر کے زیادہ واضح قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ علامہ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ (879ھ) تصحیح القدوری میں فرماتے ہیں: ”قاضی خان جس بات کی تصحیح کر دیں اسے دوسروں کی تصحیح پر مقدم سمجھا جائے گا۔“

[بحوالہ: الفوائد البہیہ ص 65]

2: الفتاویٰ النسفیہ

اس کے مؤلف علامہ نجم الدین عمر بن محمد نسفی رحمہ اللہ (537ھ) ہیں جو علامہ سمرقندی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ کتاب ان فتاویٰ کو محیط ہے جو انہوں نے اپنے معاصرین کے سوالات کے جواب میں تحریر کیے تھے۔ علامہ مددوح بہت بڑے فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔ فقہ کے بارے میں ان کی مشہور تصنیف ”کتاب المنظومہ“

ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فقہ کی پہلی کتاب ہے جو بصورتِ نظم ضبط تحریر میں لائی گئی۔

3: المبسوط

یہ کتاب امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ (150ھ) کے مایہ ناز شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ (189ھ) کی تصنیف ہے اور کتاب الاصل کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو "اصل" اس لیے کہا جاتا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اسی کو تصنیف کیا۔ اس میں فاضل مصنف رحمہ اللہ نے سینکڑوں مسائل سے متعلقہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فتاویٰ جات جمع کیے ہیں۔ نیز ایسے مسائل بھی ذکر کیے ہیں جو ان کے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ (182ھ) کے درمیان اختلافی ہیں۔ اور جس مسئلے میں امام محمد رحمہ اللہ نے اختلاف ذکر نہیں کیا وہ سب کا متفقہ ہوتا ہے۔

4: ہدایہ

شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی رحمہ اللہ (593ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ فقہ حنفی کی نہایت اہم اور معروف کتاب ہے اور درحقیقت اسی مصنف رحمہ اللہ کی ایک اور تصنیف "بدایۃ المبتدی" کی شرح ہے۔ اس کتاب کی فقہی اہمیت کے پیش نظر اس کی مختلف زبانوں میں کئی شروحات لکھی گئی ہیں اور علماء کرام نے مختلف انداز سے اس پر بہت کام کیا ہے۔

5: الکافی

اس نام کی فقہیات سے متعلق کئی کتابیں ہیں جو چاروں مسالک [مسلک حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی] پر مشتمل ہیں۔ لیکن یہاں "الکافی فی فروع الحنفیہ" مراد

ہے۔ یہ کتاب امام محمد بن محمد (334ھ) کی تصنیف ہے جو امام حاکم شہید کے نام سے معروف ہیں۔ مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کی کتابوں کے اہم فقہی مسائل سلیقے سے جمع کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب اپنے مندرجات کے اعتبار سے قابل اعتماد ہے۔

6: کنز الدقائق

فقہ اسلامی کی یہ کتاب آج بھی مسلمانوں میں بہترین اور قابل اعتماد تصور کی جاتی ہے۔ اور دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔ اس کتاب کو ابو البركات علامہ عبد اللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (710ھ) نے تصنیف فرمایا۔ فقہ حنفی کے جتنے بھی متون لکھے گئے ہیں ان میں سے مقبول ترین اور منفرد یہی کنز الدقائق ہے۔ اختصار اور جامعیت کی وجہ سے یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔

فتاویٰ پر مزید علمی و تحقیقی کام:

وقت تالیف سے لے کر اب تک فتاویٰ تاتار خانیہ پر تین مرحلوں میں کام ہوا ہے۔ ابتدائی دو مراحل میں یہ کام پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا، البتہ آخری مرحلہ میں کام کافی حد تک مکمل ہو گیا۔ اب تک اس فتاویٰ پر جو کام کسی بھی شکل میں ہوا اس کی تفصیل یہ ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی کی محنت:

دسویں صدی ہجری کے معروف عالم دین شیخ ابراہیم بن محمد الحلبي رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اس فتاویٰ کے مخصوص مسائل کو ایک جلد جمع کیا۔ جن مسائل کا شیخ نے انتخاب فرمایا وہ ایسے نادر یا کثیر الوقوع تھے جو عام کتب میں موجود نہ تھے۔ مسائل

ذکر کرتے وقت شیخ مرحوم نے حوالہ جات نقل کرنے کا اہتمام بھی فرمایا۔ چنانچہ حاجی خلیفہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم إن الإمام: إبراهيم بن محمد الحلبي المتوفى: سنة ست وخمسين وتسعمائة لخصه في مجلد وانتخب منه: ما هو غريب أو كثير الوقوع وليس في الكتب المتداولة والتزم بتصریح أسامی الكتب.

کشف الظنون ج 1 ص 253

قاضی سجاد بجنوری کی کاوش:

شیخ ابراہیم حلبی کے بعد 500 سو سال تک تقریباً کسی نے بھی فتاویٰ تاتارخانیہ پر کام نہیں کیا۔ پندرہویں صدی ہجری میں مدرسہ عالیہ دہلی کے رئیس مولانا قاضی سجاد حسین بجنوری رحمہ اللہ نے اس پر محققانہ طرز پر قلم اٹھانے کا عزم کیا۔ انہوں نے یہ کام اپنے مخلص دوست پروفیسر خلیق احمد کے توجہ دلانے پر شروع کیا۔ قاضی صاحب نے ”کتاب الطہارۃ“ سے اپنی تحقیق کا آغاز فرمایا۔ جب آپ ”کتاب البیوع“ کے باب ”بیع التاجہ“ تک پہنچے تو آپ کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔ جس کی وجہ سے یہ تحقیقی منصوبہ نامکمل رہ گیا۔

مفتی شبیر احمد قاسمی کا کارنامہ:

فتاویٰ تاتارخانیہ پر جو علمی و تحقیقی کام مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب نے کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مفتی صاحب موصوف ہندوستان کے معروف دینی ادارہ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد کے شیخ الحدیث ہیں۔ آپ نے تین برس تک شب و روز مسلسل محنت و جستجو کے بعد یہ عظیم علمی کارنامہ سرانجام دیا۔ مفتی صاحب کا یہ تحقیق شدہ نسخہ 23 جلدوں پر محیط ہے جسے مکتبہ فاروقیہ کوئٹہ نے شائع کیا ہے۔ فاضل محقق نے کتاب

کی تحقیق و تعلیق میں مخطوطات یعنی قلمی نسخوں کی طرف مراجعت کا خصوصی اہتمام کیا۔ دوران تحقیق فاضل محقق کے پیش نظر درج ذیل نسخہ جات تھے۔

- 1: سالار جھنگ میں محفوظ مخطوطہ
- 2: مخطوطہ قسطنطنیہ
- 3: مکتبہ رضا کانپور انڈیا میں محفوظ مخطوطہ
- 4: مخطوطہ نشاۃ
- 5: مکتبہ خدابخش پٹنہ، بہار میں محفوظ مخطوطہ
- 6: قاضی سجاد حسین بجنوری کا تحقیق شدہ نسخہ

مذکورہ چھ نسخوں میں سے فاضل محقق نے مخطوطہ قسطنطنیہ کو بنیاد بنا کر اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا۔ کیوں کہ اس کی کتابت صاف ستھری اور واضح ہے۔ یہ مکمل مخطوطہ آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ فاضل محقق نے دوسرے نمبر پر قاضی صاحب کے تحقیق شدہ نسخہ سے ہر ممکن حد تک نفع اٹھایا۔ اس کے علاوہ بقیہ مخطوطات ناقابل فہم حد تک باریک کتابت، بے ڈھنگے الفاظ اور کثرت اغلاط کی وجہ سے فائدہ مند ثابت نہ ہو سکے۔

مخطوطات کی مراجعت کے علاوہ محقق موصوف نے درج ذیل امور پر خاص توجہ دی۔

- 1: اہم مسائل پر نمبر لگانے کا اہتمام کیا ہے۔
- 2: جو مسائل قرآن و سنت سے صراحتاً ثابت تھے ان پر آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ پیش کیے۔
- 3: کتاب میں جتنے اسماء یا کتب کا ذکر آیا ہے، ان کا تعارف کرایا ہے۔

4: آغاز میں ایک جامع مقدمہ لکھا ہے جو درج ذیل سات فصول پر مشتمل ہے۔

1: الفصل الاول۔۔۔ فی ترجمۃ المولف، اس فصل میں صاحب کتاب علامہ عالم بن العلاء الحنفی رحمہ اللہ کے حالات زندگی کو ذکر کیا ہے۔

2: الفصل الثانی۔۔۔ فی تراجم الفقہاء قبل المولف، مولف کے زمانہ سے پہلے جو فقہاء کرام تھے اس میں ان کا تعارف پیش کیا ہے۔ ان کی تعداد 53 ہے۔

الفصل الثالث۔۔۔ فی تراجم الفقہاء بعد المولف، اس فصل میں مولف سے بعد والے 16 فقہاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

الفصل الرابع۔۔۔ فی ترجم المحدثین، اس میں تقریباً 76 محدثین کرام کے حالات کو بیان کیا ہے۔

الفصل الخامس۔۔۔ فی تاریخ الفقہ الحنفی، اس میں فقہ حنفی کے آغاز اور اس کے عروج کے مراحل پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

الفصل السادس۔۔۔ فی مراحل الخدمات لمخطوطات الفتاوی التاتارخانیہ۔ فتاویٰ تاتارخانیہ کے قلمی نسخوں پر مختلف ادوار میں جو علمی کام ہوتا رہا، اس فصل میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

الفصل السابع۔۔۔ فی الکتب اللتی نقل عنها المولف ولم یدکرھا فی مقدمتہ، جن کتب کو فاضل مولف علامہ عالم بن العلاء الحنفی نے دوران تالیف زیر مطالعہ رکھا مگر مقدمہ میں ان کا تذکرہ نہیں کر سکے۔ مذکورہ فصل میں مفتی صاحب موصوف نے ان کتابوں کا تعارف پیش کیا ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

ترتیب و عنوانات: مفتی شبیر احمد حنفی

3- فروری 2012ء بروز جمعہ المبارک حضرت الشیخ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ نے جامع مسجد 87 جنوبی سرگودھا میں خطاب فرمایا، جس میں ”حقوق اللہ اور حقوق العباد“ کے عنوان پر پُر اثر گفتگو فرمائی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده ورسوله. اما بعد . فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ : وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا.

الاسراء: 23

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَىٰ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ . اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَىٰ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

عبادت خدا کی، ادب والدین کا:

میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے، اس میں اللہ رب العزت نے بظاہر دو حکم بیان فرمائے ہیں:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا.

نمبر 1: سجدہ خدا کو کرو، نمبر 2: ادب، احسان اور شکریہ اپنے والدین کا کرو۔

اللہ رب العزت نے سجدہ کو اپنی ذات کے لیے مختص فرمایا ہے۔ ”وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ“ میں عبادت کا ترجمہ میں نے سجدہ کیا ہے جب کہ عبادت کا مفہوم وسیع ہے کہ عبادت میں نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے، حج بھی ہے، زکوٰۃ بھی ہے، جہاد بھی ہے، تلاوت بھی ہے، اقرباء و رشتہ داروں، مسلمانوں اور دیگر انسانوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے۔ لیکن میں نے یہاں عبادت کا ترجمہ سجدہ کیا ہے۔

عبادت کسے کہتے ہیں:

اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے خشوع، تواضع، تذلل اور عاجزی کا۔ عبادت کا معنی یہ ہے کہ انسان احکام خداوندی کے سامنے اپنی گردن کو جھکا دے۔ اللہ رب العزت جو بات فرمائیں بندہ اس کو مان لے۔ جسے ہم اپنی زبان میں، آسان لفظوں میں عبادت کہتے ہیں علماء عموماً وہ بعض معمولات جو بندے کو سمجھ نہ آئیں اسے ”امر تعبدی“ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

امر تعبدی کا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ وہ حکم ہے جو غلام کو اس کے آقا نے دیا ہے اور غلام اس بات کا پابند نہیں کہ آقا کی بات کو سمجھے، وہ اس بات کا پابند ہے کہ آقا کی بات پر عمل کرے۔ آقا کے ذمے یہ نہیں کہ اپنے غلام کو بات سمجھائے اس کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے غلام کو بات بتائے۔ بات سمجھ میں آئے تو بھی اس کے ذمہ ہے اور سمجھ میں نہ آئے تو بھی اس کے ذمہ ہے۔ اس کا نام ہے ”تعبدی“، اور یہ شریعت کا اصول اور ضابطہ ہے کہ شریعت انسان کو عقل کا پابند نہیں کرتی بلکہ اللہ کے احکام کا پابند کرتی ہے۔

عقل پرستی کا فتنہ:

آج کے دور میں جہاں اور فتنے ہیں ان میں ایک بہت بڑا فتنہ عقل پرستی کا

ہے، اسی طرح بہت بڑا فتنہ مادہ پرستی کا ہے لیکن عقل پرستی کا فتنہ مادہ پرستی کے فتنے سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ عقل پرستی کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں یہ بات سمجھاؤ کہ یہ شریعت کا حکم کیوں ہے؟ حالانکہ سمجھ میں آئے تو بھی عمل کرنا ہے، اگر سمجھ میں نہ آئے تو بھی عمل کرنا ہے۔ میں اس کی چھوٹی سی مثال دیتا ہوں، آج کے دور میں بہت سارے احباب وہ ہیں جو کلمہ بھی پڑھتے ہیں، خود کو مسلمان بھی کہلاتے ہیں لیکن شریعت کے بعض واضح احکام پر عمل نہیں کرتے، ان احکام کو بجالاتے ہوئے جھک اور شرم محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً مردوں کے لیے شلوار کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا؛ یہ واجب ہے اور شلوار کو ٹخنوں نیچے کرنا؛ یہ حرام ہے، دو شرطوں کے ساتھ؛ نمبر 1: نازلاً ہو، نمبر 2: قائماً

نازلاً کا معنی یہ ہے کہ مرد نے جو کپڑا پہنا ہو وہ اوپر سے نیچے آئے، چنانچہ آدمی جراب پہنتا ہے تو یہ اوپر سے نیچے نہیں ہے بلکہ نیچے سے اوپر جاتی ہے اس لیے اسے نازلاً نہیں کہیں گے۔ ہاں وہ کپڑا جو آدمی پہنے اور اوپر سے نیچے آئے اس کو کہتے ہیں نازلاً۔ قائماً کہ آدمی کھڑا ہو، تو ایسے کپڑے کاٹنے سے نیچے کرنا حرام ہے۔ جراب پہنی ہو تو چونکہ یہ نیچے سے اوپر جاتی ہے اس لیے اگر یہ ٹخنے کو ڈھانپ لے تو یہ نہیں ہے، اسی طرح آدمی بیٹھا ہو یا لیٹا ہو اور شلوار آدمی کے ٹخنے کو ڈھانپ لے تو یہ بھی حرام نہیں ہے، تو شلوار کا ٹخنوں سے نیچے کرنا مرد کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔ دوران نماز پانچے ٹخنوں سے نیچے ہوں تو ایسی نماز واجب الاعادہ ہے، واجب الاعادہ کا معنی کہ اس نماز کو لوٹانا واجب ہے۔

[فتاویٰ رحیمیہ: ج 5 ص 145، فتاویٰ محمودیہ: ج 6 ص 654]

یہ بہت بڑا گناہ ہے، ہم عموماً خیال نہیں کرتے، اللہ رب العزت حفاظت فرمائے کہ آج کے دور میں ایک بالکل الٹا نظام چلا ہے کہ مردوں کی شلواریں ٹخنوں

سے نیچے ہیں اور عورتوں کی شلواریں ٹخنوں سے اوپر ہیں، اور شاید آپ کے علم میں ہو گا کہ یہ جو بازار سے ٹیلر سے عورتیں کپڑے سلواتیں ہیں اور شلواریں ٹخنوں سے اوپر سلواتی ہیں تو اس ڈیزائن اور فیشن کا نام ہی ان کے ہاں ”ملاں فیشن“ پڑ گیا ہے کہ مولویوں والا ڈیزائن مجھے بنا کے دو۔ اللہ رب العزت ہماری حفاظت فرمائے۔ تو مرد کے ذمے ہے کہ شلواریں ٹخنوں سے اوپر رکھیں اور عورتوں کے ذمے ہے کہ ٹخنوں کو شلوار سے ڈھانپ کے رکھیں۔

یہ میرے نبی کا حکم ہے:

عام دیہاتی اور ان پڑھ آدمی کو بات سمجھاؤ اسے بات سمجھ آتی ہے، اسے تو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے:

مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِذَارِ فِی النَّارِ۔

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5787، عن ابی ہریرۃ

کہ شلوار کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہو (اور ٹخنوں کو ڈھانپ لے) تو اتنا حصہ جہنم میں جائے گا۔

اس کا معنی یہ نہیں کہ باقی حصہ جنت میں جائے گا۔ نہیں بلکہ پورا جسم جہنم میں جائے گا۔ ٹخنوں سے نیچے والے حصے کو ذکر کرنے کی غرض یہ ہے کہ جہنم میں جانے کا سبب وہ حصہ بنے گا جو ٹخنوں سے نیچے اور ڈھکا ہوا ہے۔ جیسے آدمی اگر نامحرم عورت کو دیکھے تو اس کی آنکھ جہنم میں جائے گی، اس کا معنی یہ نہیں کہ صرف آنکھ جہنم میں جائے گی، جہنم میں پورا جسم جائے گا اور جانے کا سبب آدمی کی آنکھ بنے گی۔ اگر کوئی انسان کان سے گانا سنے، اس کا معنی یہ نہیں کہ کان جہنم میں جائے گا، اس کا معنی ہے کہ جہنم میں سارا بدن جائے گا لیکن جہنم میں جانے کا سبب انسان کا یہ کان بنے گا۔

اگر کوئی انسان اپنی زبان سے گالی دے، غیبت کرے، بہتان لگائے، چغلیاں کرے تو یہ آدمی جہنم میں جائے گا، صرف زبان نہیں پورا جسم جائے گا، لیکن جہنم میں جانے کا سبب زبان بنے گی۔

عجیب روشن خیالی:

خیر میں بات سمجھا رہا تھا کہ عام آدمی کو اتنی بات سمجھا دینا کافی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ امیروں کی دنیا میں جو خود کو ماڈرن، ترقی پسند اور تعلیم یافتہ حضرات کہتے ہیں ان کے ذہن میں آتا ہے کہ نہیں، یہ حکم اس دور کا ہے جب سنگ مرمر نہیں تھا، جب کارپٹ نہیں تھے اور جب ایئر کنڈیشن کمرے نہیں تھے، یہ اس دور کی بات ہے کیونکہ باہر مٹی ہوتی تھی، گرد و غبار ہوتا تھا تو تہبند اور شلوار ٹخنوں سے نیچے جاتی تو اس سے آدمی کے جسم کے اوپر اس گرد و غبار کی وجہ سے جراثیم آتے تھے جس سے بیماری آتی ہے۔ اب چونکہ یہ ماحول نہیں لہذا اب یہ جائز ہے۔ حالانکہ غور کرنے کی بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ جراثیم بیان نہیں فرمائی بلکہ یہ تو امر تعدی ہے، لہذا ہماری عقل میں آئے تو بھی ماننا ہے، نہ آئے تو بھی ماننا ہے۔ کیونکہ ہم نے کلمہ عقل نہیں پڑھا، ہم نے کلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھا ہے۔

نماز، کمال عاجزی کا مظہر:

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ میں سمجھا رہا تھا کہ عبادت نام ہے عاجزی تواضع، انکساری کا۔ آدمی جتنی بھی شریعت کی عبادات ادا کرتا ہے اس میں سب سے زیادہ عاجزی انسان کی نماز میں ہے۔ زکوٰۃ میں عاجزی موجود ہے، اس لیے کہ اگر عاجزی نہ ہوتی تو رب کے ڈر سے زکوٰۃ کیوں دیتا؟ عاجزی ضرور ہے لیکن اس میں

غریب کو دولت دیتا ہے تو آدمی کے ذہن میں آسکتا ہے کہ میں نے اس کو پیسے دیے ہیں۔ حج کرنا اگرچہ عاجزی ہے، اگر عاجزی نہ ہوتی تو سوئڈ بوئڈ آدمی اپنے لباس کو چھوڑ کے محض دو چادروں میں سرنگا کر کے کبھی بیت اللہ کا چکر نہ لگاتا اور دیوانہ وار وہاں نہ گھومتا، تو اس میں بھی عاجزی ضرور ہے لیکن اس میں بھی ذہن میں آسکتا ہے کہ اس کے پاس دولت تھی، پیسہ تھا، دیکھو اتنا لمبا سفر کر کے آیا ہے۔ تو دین کے جتنے معاملات آپ کے سامنے ہیں ان کو اسی طرح سمجھیں لیکن جو عاجزی اللہ تعالیٰ نے نماز میں رکھی ہے یہ دیگر عبادات میں نہیں، جتنا خشوع نماز کے اندر ہے اتنا خشوع دیگر عبادات میں نہیں۔

عاجزی کی انتہاء:

اس کو صرف سمجھانے کے لیے ایک مثال دیتا ہوں تاکہ بات سمجھ میں آئے کہ نماز میں عاجزی کتنی ہے؟ دنیا میں عاجزی کے مختلف پہلو اور درجات ہیں۔ مثلاً اگر کسی بندے کو عاجز کرنا ہو، کسی کو اپنے ماتحت اور تابع بنانا ہو تو عموماً جملہ استعمال ہوتا ہے: ہینڈ ز اپ [Hands up] کہ ہاتھ کھڑے کرو، تسلیم ہو جاؤ، گرفتاری پیش کرو۔ تو آدمی جب نماز پڑھتا ہے تو اس میں سب سے پہلے ہینڈ ز اپ کرتا ہے۔

ہینڈ ز اپ کا معنی کہ اس نے خود کو خدا کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد دنیا میں کسی کو ملکی سی سزا دیتے ہو تو کہتے ہو: کھڑے ہو جاؤ، کان پکڑو۔ اب دیکھو یہ بندہ اللہ کے سامنے ہینڈ ز اپ بھی کر رہا ہے، کھڑا بھی ہو گیا اور کانوں کو ہاتھ بھی لگا دیے۔ پھر کبھی عموماً مجرم کو بڑے کے سامنے پیش کریں تو اس کے ہاتھ باندھے ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہاتھ باندھ دو۔ یہ بندہ بھی ہاتھ باندھ کر رب کے سامنے عاجزانہ کھڑا ہے۔

دنیا میں آدمی نے کسی کو مزید ذلیل کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص کو میں

نے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اونے میڈے سامنے گوڈے ٹیک ڈتے نیں [اس نے میرے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہیں]، بندہ نماز میں کھڑا تھا اور اب گھٹنے بھی ٹیک دیے، اب رکوع میں ہے۔

تو اللہ رب العزت بندے سے خوش ہو کر فرماتے ہیں کہ ہم نے تیری اس عاجزی کو قبول کیا ہے، اب کھڑے ہو کر اعلان کر دے تو پھر آدمی کھڑے ہو کر اعلان کرتا ہے: ”سمع اللہ لمن حمدہ“۔ اس کا لفظی ترجمہ مراد نہیں کہ اللہ نے سن لیا اس کو جس نے اس کی حمد کی ہے، بلکہ ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے قبول کر لیا اس بندے کی بات کو جس نے اس کی تعریف کی ہے۔ جس طرح ہماری زبان میں سننے کا معنی ”قبول کرنا“ ہوتا ہے، عربی زبان میں بھی سننے کا معنی کا قبول کرنا ہوتا ہے۔ تو گویا آدمی اپنی زبان سے کہتا ہے کہ اے اللہ! میں نے جو حمد بیان کی ہے، تو نے قبول کی ہے۔ پھر بندہ خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ میں نالائق تھا، آپ نے کرم کیا، میں نجاست کا لو تھڑا تھا، خدا نے مجھے پاک فرمایا۔ ہم اب مسجد میں ہیں، ہمارے معدے میں دیکھو، ہمارے مثانے میں دیکھو، اپنے پیٹ میں دیکھو کتنی غلاظت بھری پڑی ہے، لیکن وضو کیا، اللہ نے فرمایا ہم نے تمہیں پاک کر دیا۔ گناہوں سے آلودہ ہو کر مسجد میں آیا اور صرف دل ہی دل میں کہا: اللہ میں نے جرم کیا تھا، معاف کر دے، آئندہ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے جاؤ ہم نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ تو وضو کیا ظاہری بدن بھی پاک ہے، اسی انسان نے اپنے دل میں خود کہہ دیا کہ میں آئندہ گناہ نہیں کروں گا تو آدمی باطنی، روحانی، معنوی طور پر بھی پاک ہو جائے گا۔ اب بندہ سجدہ کر کے اللہ کا شکر ادا کرتا ہے: ”سبحان ربی الاعلیٰ“، ”سبحان ربی الاعلیٰ“، ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کہ میرا رب! تو بہت پاک ہے۔

میرا رب پاک ہے:

میں اس پر ایک نکتہ عرض کیا کرتا ہوں کہ دیکھو بندہ جب نماز میں ہے تو ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کہتا ہے، ”سبحان ربی العظیم“ کہتا ہے کہ اے میرے رب تو پاک ہے لیکن بندہ نماز سے باہر ”سبحان ربی الاعلیٰ“ نہیں کہتا، ”سبحان ربی العظیم“ نہیں کہتا، بلکہ ”سبحان اللہ“ کہتا ہے کہ اللہ پاک ہے۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ کہ نماز میں بندہ کہتا ہے ”میرا رب پاک ہے“ اور نماز سے باہر کہتا ہے کہ ”اللہ پاک ہے“، یہ نہیں کہتا کہ میرا اللہ پاک ہے۔ اس بات کو یوں سمجھیں کہ جب آپ یہاں سے نکلیں تو ایک بہت اچھی کوٹھی پر آپ کی نظر پڑی ہے، یا بہت اچھا خوبصورت مکان دیکھا ہے، یا باہر قیمتی گاڑی دیکھی، تو انہیں دیکھ کر بندہ کہتا ہے: سبحان اللہ کتنی اچھی گاڑی ہے، یہ نہیں کہتا کہ سبحان ربی العظیم کتنی اچھی کوٹھی ہے، سبحان ربی الاعلیٰ کتنی اچھی گاڑی ہے۔ کیوں؟ جب اس نے مکان دیکھا تو کہا سبحان اللہ، اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہ گاڑی مجھے چاہیے، یہ مکان مجھے چاہیے۔

لیکن جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو کہتا ہے: ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کیونکہ یہ گناہوں میں آلودہ تھا، مسجد میں آیا اور نماز میں آیا خود کو پاک کرنے کے لیے، اور ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز لینی ہو تو پھر آدمی مال والے کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے۔ میں اس کو سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ مثلاً ایک غریب آدمی ہے وہ کسی بڑے کے پاس جائے، وہاں جا کر دیکھے کہ اس کے پاس ہزاروں من گندم پڑی ہے اور یہ غریب گندم لینا چاہتا ہو تو وہاں یہ نہیں کہتا کہ آپ کے پاس گندم بہت ہے، بلکہ یہ جملہ یوں کہتا ہے: ہمارے سرداروں کے پاس بہت گندم ہے، ہمارے سرداروں کے پاس اس دفعہ فلاں چیز بہت ہوئی ہے۔ کیوں؟ کہ اس نے گندم لینی ہے تو کہتا ہے کہ

ہمارے سردار کی بہت چیزیں ہیں، ہمارے فلاں کی بڑی چیزیں ہیں۔ اس طرح جب بندہ گیا نماز میں پاک ہونے کے لیے تو کہتا ہے: ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کہ میرا اللہ پاک ہے، کیونکہ اس نے پاکیزگی لینی تھی اس لیے ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کہتا ہے۔

جھکا دی ہم نے جبین نیاز:

توسجدہ میں گر کر کہتا ہے ”سبحان ربی الاعلیٰ“، اپنی ناک کو بھی زمین پر رکھا ہے، اپنی پیشانی کو بھی زمین پر رکھا ہے اور پھر اللہ کی پاکی کا اعلان کرتا ہے۔ کھڑا ہوا تو یہ بھی عاجزی ہے، ہاتھ باندھے یہ بھی عاجزی ہے، رکوع میں چلا گیا یہ بھی عاجزی ہے، لیکن عاجزی کا سب سے آخری درجہ کون سا ہے؟ کہتے ہیں کہ میں فلاں بندے کو ناک رگڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ہماری زبان میں کہتے ہیں: میں تے اس دے نک دیاں لکیراں کڈھا دیتاں نیں [میں نے اس کا ناک رگڑوا دیا ہے] یہ آخری درجہ تھا کہ بندہ اپنے ناک کو زمین پہ رگڑ کر کہتا ہے: ”سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ“ اس کے اوپر تو کوئی مقام ہی نہیں ہے، اس سے زیادہ عاجزی کیا کرتا؟ ہاتھ کھڑے کر دیے، کانوں کو ہاتھ لگا دیا، ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا، گھٹنے ٹیک دیے ہیں، اللہ میں نے پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھ دیا ہے، اللہ اب تو مجھے پاک فرما دے، اللہ اب تو مجھے پاک فرما دے، اللہ جب اس کی پاکی کا اعلان کرتے ہیں تو یہ دل میں سوچتا ہے کہ اے کاش! زمین پھٹتی اور میں نیچے جاتا اور نیچے جا کے پھر کہتا: ”سبحان ربی الاعلیٰ“، ادھر سے جواب ملتا ہے کہ اور نیچے تو نہیں جاسکتا، تو نے ایک رکعت میں قیام ایک کیا ہے، رکوع ایک کیا ہے، سجدے دو کیے ہیں یہ دوسرا سجدہ کیوں کیا ہے؟ کہ بندے کے دل میں تھا کہ میں اور نیچے جاتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو اور نیچے تو نہیں جاسکتا چلو ایک اور سجدہ کر لے ایک دفعہ اور چلا جا۔

دوسرا سجدہ کرنا گویا ایسا ہے کہ بندہ جو اور نیچے جانا چاہتا ہے اس کی تمنا کو خدا نے پورا فرمایا ہے۔ تو سب سے اعلیٰ درجہ عبادت کا وہ خدا کے سامنے اپنی پیشانی کو ٹیک کر سجدہ کرنا ہے۔ تو دیکھیں کہ اس مسجد میں بہت سے شرعی اعمال ہوتے ہیں، اس میں نماز بھی ہے، اس میں تلاوت بھی ہے، اس میں اذان بھی ہے اقامت بھی ہے، جمعہ بھی ہے، بچوں کو پڑھانے کا عمل بھی ہے، تبلیغی جماعت کا گشت بھی ہے اور بہت سے عمل ہوتے ہیں لیکن اس کو کیا کہتے ہیں: ”مسجد“ مسجد کا معنی کیا ہے کہ اس میں خدا کے سامنے اپنی پیشانی اور ناک کو ٹیک کر سجدہ کرنے والی اہم عبادت کی جاتی ہے۔ چونکہ تمام عبادات میں سے اعلیٰ سجدہ ہے، اس لیے اس جگہ کی نسبت ہی سجدہ کی طرف کر کے فرماتے ہیں: **وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ**

[سورۃ الحج: 18]

میں صرف یہ سمجھا رہا تھا کہ عبادت میں جو عاجزی، انکساری مطلوب ہے اس کا آخری درجہ سجدہ کرنا ہے، تو خدا نے جو حکم دیا ہے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِلَٰهًا﴾ اس کا مطلب یہی ہے کہ سجدہ صرف خدا کی ذات کو کرنا ہے، خدا کے علاوہ کائنات میں کسی کو سجدہ کرنے کی گنجائش موجود نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک درخواست پیش کی۔ وہ درخواست کیا تھی؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم مقام حیرہ [عجم] میں گئے تھے، ہم نے وہاں ماحول یہ دیکھا ہے کہ وہاں کے لوگ اپنے بڑے کو سجدہ کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! ہماری نظر میں آپ زیادہ حق دار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ اگر تم میری قبر کے پاس گزرو تو کیا میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ صحابی نے

عرض کی: نہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب جملہ ارشاد فرمایا: (اے میرے صحابہ یہ بات میری کان کھول کو سن لو کہ) ایسا ہر گز نہ کرنا (کیونکہ اللہ کی ذات کے علاوہ کسی کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں۔) خدا کی ذات کے علاوہ اگر کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (وہ اگر اس کو سجدہ نہیں کر سکتی تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔)

(سنن ابی داؤد: باب فی حق الزوج علی المرأة)

نذر و نیاز اللہ کے واسطے:

”وَقَطِیْ رَبُّكَ اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا“ فرمایا کہ سجدہ ایک خدا کی ذات کو کرنا ہے، خدا کی ذات کی علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ سجدہ کا معنی ہر گز یہ نہیں ہے کہ بندہ سجدہ تو اللہ کے علاوہ کسی کو نہ کرے لیکن کسی اور کے نام کی نذر مانے، کسی اور کے نام کی نیاز مانے، کسی اور کے نام کی منتیں مانے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا حرام ہے اسی طرح اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام کی منت، نیاز اور نذر ماننا بھی حرام ہے۔ آج بہت سارے لوگ اپنی جہالت اور بے علمی کی وجہ سے جملہ کہتے ہیں اور وہ لوگ جو ہمارے گھروں کے باہر بھیک اور چندے مانگنے آتے ہیں اتنا غلط جملہ اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ایمان بھی تباہ کرتے ہیں، نظریہ بھی کھوکھلا کرتے ہیں اور ہم سے بھیک بھی لے کر چلے جاتے ہیں۔ نعرہ لگاتے ہیں: ”نذر اللہ، نیاز حسین“ یہ بات ذہن نشین فرمائیں کہ جس طرح نذر اللہ کے نام کی ہے اس طرح نیاز بھی اللہ کے نام کی ہے، اللہ کے نام کے علاوہ اگر نذر حرام ہے تو اللہ کے نام کے علاوہ کسی اور کے نام کی نیاز بھی حرام ہے، ایسے بندے کو چندے کا ایک دانہ دینا بھی حرام ہے، اگر اسے کچھ دیا تو قیامت کے دن اللہ پوچھے گا کہ غلط عقیدے کی تبلیغ

کرنے والے کو آپ نے چندہ اور فنڈ کیوں دیا؟

والدین کا ادب:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔

اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرنی ہے اور ادب والدین کا کرنا ہے۔ یہ بات سمجھیں لیں اللہ کی عبادت اس لیے ہے کہ اللہ ہمارے خالق ہیں اور والدین کا ادب اس لیے وہ ہمارے ماں اور باپ ہیں، اللہ کے حکم سے ہمیں وجود ملا ہے اور والدین کی وجہ سے وجود ملا ہے۔ تو اللہ ہمارے خالق ہے اور والدین ہمارے وجود کا سبب ہیں۔ سجدہ خدا کی ذات کو کریں اور ادب واحترام دنیا میں سب سے زیادہ اپنے والدین کا کریں۔ اللہ رب العزت کی ذات ہر حال میں خالق ہوتی ہے، اللہ صحت دے تب بھی خالق ہے، بیماری دے تب بھی خالق ہے، اللہ کی ذات اگر بندے کو دولت دے دے تب بھی خالق ہے، اللہ فقر دے دے تب بھی اللہ کی ذات خالق ہے، ہر حال میں سجدہ اللہ کی ذات کو کرنا ہے، کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو سجدہ مت چھوڑیں۔

..... اور کس درجہ جاؤں؟

ہماری کتب میں مستقل ایک واقعہ درج ہے، کہتے ہیں کہ ایک آدمی نیک تھے، بزرگ تھے، ہر سال وہ حج کے لیے جاتے۔ ایک مرتبہ، دو مرتبہ، تین مرتبہ اور کئی سال تک حج کے لیے جاتے رہے اور ہر سال ان کو یہی آواز ملتی کہ تمہارا حج قبول نہیں ہے، یہ اگلے سال پھر چلے جاتے، آواز آتی کہ تمہارا حج قبول نہیں ہے، آئندہ سال پھر جاتے آواز آتی کہ تمہارا حج قبول نہیں ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ جب تمہاری ہر سال آواز آتی ہے کہ حج قبول نہیں تو آپ آنا چھوڑ دیں۔ اس نے کہا کہ اگر یہاں آنا

چھوڑ دوں تو پھر اس کے علاوہ کس در پہ جاؤں؟ اسی در پہ آنا ہے آج قبول نہیں ہے تو کل قبول ہو گا۔ کہتے ہیں کہ غالباً انہوں نے 70 حج کیے، ہر سال یہی آواز آتی کہ تمہارا حج قبول نہیں ہے۔ اگلے سال جب حج کیا تو اس وقت غیب سے آواز آئی کہ ہم نے تمہارے سارے حج قبول کر لیے اور اس حج کی وجہ سے جتنے لوگوں نے حج کیا ہے ان کے بھی قبول کرتے ہیں۔

اللہ سے لو لگائے رہیے:

کسی حال میں انسان خدا کو چھوڑے مت، ہم لوگ جلد باز ہیں، بڑی جلدی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ اولاد نہیں ملی تو ایک لٹ رکھی ہے کہ میں نے فلاں در بار پہ کٹوانی ہے، کبھی اولاد نہیں ملی تو جب پوچھا جاتا ہے: کہاں جا رہے ہو؟ میں فلاں در بار پہ جا رہا ہوں، میں نے منت مانی ہے۔ بتاؤ! مسجد سے زیادہ کوئی مقدس جگہ ہو سکتی ہے؟ نماز سے بڑی کوئی عبادت ہو سکتی ہے؟ آپ منت مانیں کہ اے اللہ! میرا فلاں کام کر دے تو آئندہ مسجد کا بل میں ادا کروں گا، اور مسجد میں روشنی کرنا کوئی چھوٹا کام نہیں ہے۔ مسجد کو روشن کرنا بہت بڑا کام ہے اور میں بعض دفعہ سفر کرتا ہوں تو بعض مسجدوں میں بہت خوبصورت چیزیں لگی ہوتی ہیں، جی! یہ کہاں سے لائے؟ فلاں بندے نے ہمیں دی تھی، ہم نے کہا کہ مسجد سے بہتر اس کا کوئی محل نہیں ہے۔ عرب میں جائیں۔

میں نے کئی بار دیکھا کہ عرب میں لوگ قیمتی خوشبو لے کر کھڑے ہوتے ہیں اور اس کا دھواں ایسے پھینک رہے ہیں کہ مسجد میں جانے والا ہر بندہ اسکی خوشبو لے کر جائے، خوشبو لے کر لوگ کھڑے ہیں کہ مسجد میں جانے والے ہر بندے کو خوشبو لگاؤ، تو اللہ تو فیق عطاء فرمائے تو منت مانو کہ اس مرتبہ مسجد کا بل میں ادا کروں گا،

فلاں چیز میں ادا کروں گا۔ تو سجدہ اور عبادت کس کی کریں گے؟ صرف اللہ کی، اور ادب کس کا ہے؟ والدین کا۔ استاد کا ادب الگ ہے، رشتہ داروں کا ادب الگ ہے، بڑوں کا ادب الگ ہے لیکن خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ نے ماں اور باپ کا ذکر فرمایا کہ ان کا ادب ضرور کرنا ہے۔

مزید پانچ حقوق:

ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے پانچ حقوق اور بیان فرمائے ہیں، وہ پانچ ذکر کر کے بات کو ختم کرتا ہوں:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۖ وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَانِي صَغِيرًا ۝۱

پہلی بات کہ ﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾ والدین کو اف بھی نہ کہنا۔ والدین کو اف نہ کہنے کا مطلب ہے کہ اگر دنیوی معاملات میں ماں اور باپ کی وجہ سے کبھی نقصان ہو جائے تو انہیں یہ نہ کہنا کہ اے ابا! اگر آپ میری بات مانتے تو یہ نہیں ہوتا، اپنے والد کو اتنا جملہ بھی نہ کہو، اللہ اتنا جملہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ تم اپنے والدین کو اف کہو۔

آگے فرمایا: ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ اپنے والدین کو ڈانٹنا بھی مت، ان کو جھڑکنا مت۔ ایسا کبھی نہ کرنا۔ ﴿وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ والدین سے بات بڑی نرمی سے کیا کرو۔ ﴿وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ اپنے والدین کے سامنے اپنے بازوؤں کو جھکا دو، بازوؤں کو پھیلا دو، ان کے ساتھ کبھی بھی بحث و تمحیص مت کرو بلکہ والدین کی بات مانو۔ ﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَانِي صَغِيرًا﴾ اللہ تعالیٰ نے کیسی تعلیم دی

ہے، فرمایا کہ تم نے بات بھی نرم کہنی ہے، ڈانٹنا بھی نہیں ہے، اف بھی نہیں کہنا، والدین کا ادب بھی کرنا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کا ادب عمل سے بھی کرو اور ساتھ ساتھ اپنے امی اور ابو کے لیے دعائیں بھی مانگو۔ فرمایا: ﴿وَقُلْ رَبِّ اَرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَانِي صَغِيرًا﴾ یوں دعا کیا کرو کہ اے اللہ! جب میں چھوٹا تھا تو اس وقت انہوں نے میری تربیت کی ہے، اب یہ بوڑھے ہو گئے ہیں میرے اللہ ان کا اب تو خیال فرمانا، میرا انہوں نے خیال کیا تھا ان کا تو خیال کرنا۔

بیٹا! یہ کو ا ہے:

ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت اقدس شاہ حکیم محمد اختر دامت برکاتہم العالیہ نے ایک واقعہ بہت عجیب سنایا، فرمایا کہ ایک ہندو مالدار تھا اور اس کی دکان تھی، بعض لوگ مستقبل کو ذہن میں رکھ کر کام کرتے ہیں تو ہندو نے بھی ایسا کیا کہ اس کا ایک چھوٹا بیٹا تھا، بچے نے پوچھا: اباجی! یہ کیا ہے؟ ہندو نے جواب دیا: یہ کو ا ہے، پھر اس نے پوچھا: اباجی! یہ کیا ہے؟ کہا: بیٹا! یہ کو ا ہے۔ ہندو نے اپنے منشی سے کہا لکھتے جاؤ۔ اس نے پھر سوال کیا، باپ نے جواب دیا، تقریباً سو مرتبہ بچے نے پوچھا۔ ہندو نے منشی سے کہا: یہ جتنے بار پوچھے تو لکھتے بھی جانا اور بتاتے بھی جانا۔ اس نے تو مستقبل کی منصوبہ بندی کی تھی۔

جب ایک وقت آیا تو باپ نے کہا: بیٹا! اس چیز کا بھاؤ بازار سے پوچھنا کتنا ہے؟ اس نے پوچھ کر بتایا، کچھ دیر بعد پھر کہا: اس کا بھاؤ پوچھنا کتنا ہے؟ اس نے پوچھ کر بتا دیا۔ تیسری بار کہا: بیٹا! اس کا بھاؤ پوچھنا کتنا ہے؟ تو وہ لڑکا تنگ آ کر کہنے لگا: اباجی! دو مرتبہ تو بتا دیا اور کتنے بار بتاؤں؟! اس ہندو نے اپنے منشی سے کہا کہ وہ رجسٹر لاؤ ذرا، وہ رجسٹر لایا، تو ہندو نے اپنے بیٹے سے کہا: اس میں دیکھو اور اس کو پڑھو، اس نے دیکھا اور

اس کو پڑھا۔ اس میں لکھا تھا: ”یہ کیا ہے؟ یہ کوا ہے؟ یہ کیا ہے؟ یہ کوا ہے؟ یہ کیا ہے؟“ اس میں بار بار یہ لکھا تھا۔

اس نے کہا: بیٹا! تو نے سوار پوچھا تھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے بتایا تھا کہ یہ کوا ہے، اور تیسری مرتبہ ہی تنگ آگیا ہے، تو نے بچپن میں سوار سوال کیا تھا، میں بتاتا رہا، اب میں نے تین بار پوچھا تو تنگ آگیا ہے۔ بتاؤ ایسے ہوتا ہے کہ نہیں؟ جن کی اولاد نہیں نا ان کو یہ بات سمجھ نہیں آتی، جن کی اولاد ہے ان سے پوچھو کہ ماں پوری پوری رات جاگتی ہے، تھوڑی دیر سوئی، بچہ روپڑا تو جاگ اٹھی، پھر سوئی، بچہ روپڑا، پھر جاگی، مطلب ہے کہ ماں پوری پوری رات جاگتی ہے۔ بتاؤ یہ ماں اور باپ جب بوڑھے ہو جائیں اور ان کے لیے دوراتیں جاگنا پڑے تو کون سی قیامت آجاتی ہے۔

اللہ ہم سب کو اپنی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور والدین کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

ہدیہ کب لینا جائز ہے؟

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو ہدیہ بزرگ سمجھ کر دے اور وہ اتنی بزرگی نہ رکھتا ہو جس کا وہ معتقد ہو تو اس کا لینا حائز نہیں ہے۔ مولوی محمد رشید کاپوری نے اس پر عرض کیا کہ اس پر تو کسی کو لینا حائز ہی نہ ہونا چاہیے کیونکہ اپنے کو کون بزرگ سمجھے گا اور اگر ایسا سمجھے گا تو وہ بزرگ نہ ہو گا ان کے جواب میں فرمایا کہ خود اپنا معتقد کون ہو گا۔ مراد امام کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نے یہ کوشش نہ کی ہو کہ مجھ کو کوئی بزرگ سمجھے

مراسلہ: مولانا محمد علی ڈیروی

نماز اہل السنۃ والجماعت

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

جمعہ کے دن نماز جمعہ ادا کرنا فرض عین ہے۔ مریض، مسافر، عورت، بچے، غلام اور مجنون کے علاوہ باقی لوگوں پر نماز جمعہ میں شریک ہونا ضروری ہے۔ ورنہ سخت گنہگار ہوں گے۔

1: عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا مَرِيضًا أَوْ مُسَافِرًا أَوْ امْرَأَةً أَوْ صَبِيًّا أَوْ مَمْلُوكًا فَمَنْ اسْتَغْلَى بِلَهُوٍ أَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللَّهُ عَنْهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ۔

(سنن الدار قطنی ص 273، السنن الکبریٰ للبیہقی ج 3 ص 184)

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، بچے، اور غلام کے۔ پس جو شخص کھیل کود اور تجارت میں مشغول رہ کر اس سے غافل رہا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے توجہ ہٹالے گا اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریف کے قابل ہے۔“

2: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أُمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ أُحْرِقَ عَلَى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ يُبَوِّئُهُمْ۔

(صحیح مسلم ج 1 ص 232 باب فضل صلوٰۃ الجماعة وبيان التشديد الخ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان لوگوں کے بارے میں جو نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں فرمایا: میں ارادہ کرتا ہوں کہ کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ پھر میں ان لوگوں کو ان کے گھروں میں آگ لگا دوں جو نماز جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں۔

آدابِ جمعہ:

1: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْتِيَ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

(صحیح مسلم ج 1 ص 279 کتاب الجمعة)

ترجمہ: عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جب کوئی جمعہ کے لئے آئے تو اس کو غسل کر لینا چاہیے۔

2: عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنْ اغْتَسَلَ فَهُوَ أَفْضَلُ.

(سنن ابی داؤد ج 1 ص 57، سنن الترمذی ج 1 ص 111)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو اچھا ہے اور جس نے غسل کیا تو یہ افضل کام ہے۔“

فائدہ: مشہور فقیہ و محدث اور شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سات صحابہ سے مروی ہے:

[1] سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، [2] حضرت انس رضی اللہ عنہ، [3] ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، [4] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، [5] حضرت جابر رضی اللہ عنہ، [6] عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ، [7] ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

(عمدة القاری للعینی ج 4 ص 642 باب وضوء الصبیان ومتی یجب علیہم الغسل الخ)

3: عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طَهْرٍ وَيَدْهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبٍ بَيِّنَةٍ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يَفْرِقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يَصِلُ مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى.

(صحیح البخاری ج 1 ص 121-124 باب الدھن للجمعة)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور حسب استطاعت خوب پاکی حاصل کرے اور تیل یا گھر میں میسر خوشبو لگائے پھر نماز جمعہ کے لئے نکلے (وہاں جا کر) دو کے درمیان تفریق نہ کرے پھر جو نماز مقرر کی گئی ہے ادا کرے اور جب امام خطبہ دے تو خاموشی اختیار کرے۔ ایسے شخص کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

4: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمُعِ مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللَّهُ لَكُمْ عِيْدًا فَأَغْتَسِلُوا وَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَابِ. (المجم الكبير: رقم 136، المعجم الاوسط: ج 2 ص 325 رقم 3433)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جمعہ میں فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعت! یہ دن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے عید کا دن بنایا ہے۔ لہذا اس دن میں غسل کیا کرو اور مسواک ضرور استعمال کیا کرو۔

جمعہ کی دو اذانیں:

جمعہ کے دن دو اذانیں دی جائیں۔ پہلی اذان خطبہ سے اتنی دیر پہلے ہونی چاہیے کہ لوگ مسجد میں آکر اطمینان سے سنتیں پڑھ سکیں اور دوسری اذان عربی خطبہ سے پہلے دی جائے۔ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ إِنَّ الْأَذَانَ يَوْمَ

الْجُمُعَةُ كَانَ أَوَّلُهُ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَإِنْ بَكَرَ وَعَمَرَ فَلَبَّأَ كَانَ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ وَكَثُرُوا أَمْرَ عُثْمَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْإِذَانِ الثَّالِثِ فَأَذِنَ بِهِ عَلَى الرَّؤُوفِ فَشَبَّتِ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ.

(صحیح البخاری ج 1 ص 125 باب التّأذین عند الخطبة)

ترجمہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک اور اذان دینے کا حکم دیا۔ یہ اذان مقام زوراء پر دی جاتی تھی۔ پس امر اسی پر ثابت ہو گیا (یعنی دوسری اذان پر امت کا عمل شروع ہو گیا)

جمعہ کی رکعات:

4 سنت 2 فرض 4 سنت 2 سنت

1: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ صَلَوةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ وَصَلَوةُ الْفِطْرِ رَكْعَتَانِ وَصَلَوةُ الْأَضْحَى رَكْعَتَانِ وَصَلَوةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ، مِمَّا هُوَ غَيْرُ قِصْرِ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (سنن النسائي ج 1 ص 209، سنن ابن ماجه ج 1 ص 74)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”نماز جمعہ کی دو رکعت، عید الفطر کی دو رکعت، عید الاضحیٰ کی اور سفر کی دو دو رکعات ہیں یہ نماز پوری ہے اس میں کمی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر۔

فائدہ: اس سے جمعہ کے دو فرض ثابت ہوئے۔

2: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا. (المجم الاوسط للطبرانی ج 3 ص 91 رقم 3959)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔

3: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا. (جامع الترمذی ج 1 ص 117، مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 131)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے چار اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔

4: عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ مَنْ كَانَ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ سِتًّا (شرح معانی الآثار ج 1 ص 234 باب التطوع بعد الجمعة كيف هو)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جو جمعہ کے بعد نماز پڑھے اسے چاہیے کہ 6 رکعت پڑھے۔“

5: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّي أَحَدُكُمْ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا. (صحیح مسلم ج 1 ص 288)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔

6: عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ رُكْعَتَيْنِ. (صحیح مسلم ج 1 ص 288 فصل فی استجاب اربع رکعات الخ)

ترجمہ: حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

فائدہ: مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھے۔ ان چھ میں سے پہلے چار رکعت پڑھے اور اس کے بعد دو رکعت۔

جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھنا

مولانا محمد ابو بکر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا تشاوب أحدکم فلیبسک ببیدۃ علی فیہ فإن الشیطان یدخل۔

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2995

ترجمہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہیے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے، کیونکہ اس وقت شیطان چاہتا ہے کہ اندر داخل ہو جائے۔

تشریح:

جمائی کو سستی کی علامت ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ چونکہ اس میں شیطانی دخل ہے، لہذا تعلیم دی گئی ہے کہ جب جمائی آئے، تو آداب میں سے ہے کہ آدمی اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے۔ اس میں ایک حکمت تو خود حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ اس سے شیطان سے بچاؤ رہتا ہے اور دوسری حکمت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جمائی میں چونکہ منہ کھل جاتا ہے اس لیے منہ پر ہاتھ رکھ کر گویا اس حالت کو زیادہ سے زیادہ چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ البتہ چھینک کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ چھینک کے بعد طبیعت کچھ ہلکی ہو جاتی ہے اور قدرے فرحت محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے اسے پسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے چھینکنے والے کو الحمد للہ کہنا چاہیے۔

متکلم اسلام کے حضور نذرانہ عقیدت

مولانا محمد نعیم اللہ، پشاور

متکلم اسلام سفیر احناف مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کی دینی، علمی، تبلیغی، اصلاحی اور مسلکی و مذہبی خدمات کا ہر صاحب انصاف شخص معترف ہے۔ اللہ کریم نے آپ سے جس مختصر وقت میں دین کے اہم شعبوں کے احیاء اور تجدید کا کام لیا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ وقتاً فوقتاً بعض شعراء نے آپ کی ان مساعی جمیلہ کو دیکھ کر آپ کے حضور نذرانہ عقیدت بھی پیش فرمایا ہے انہیں میں ایک نام مولانا محمد نعیم اللہ پشاوری حفظہ اللہ کا بھی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

قسماً	برب	العباد	یا	الیاس
لیس	لك	نظیر	فی	الناس
فی	فصاحة	وخطابة	و	ذکاوة
کحسان	و	سحبان	و	ایاس
تذود	عن	الدين	و	تسقط
على	باطل	کبرق	و	عراص
عدوك	سرحوب	و	انت	له
اسد	قصاقص	و	لیث	عباس
من	یأتی	لك	بضرب	فانه
مستحیل	و	بدیع	فی	القیاس



مرکز اہل السنّت والجماعت

زیر سرپرستی

محمد الیاس گھمن

ایک ادارہ، ایک تحریک

شعبہ جات

شعبہ حفظ القرآن الکریم

ایک سالہ تخصص فی التحقیق والدعوة (برائے فضلاء کرام) ماہ شوال تا ماہ شعبان

پندرہ روزہ دورہ تحقیق المسائل (برائے طلبہ عظام) ماہ شعبان

تین روزہ تحقیق المسائل کورس (برائے عوام الناس)

ہر انگریزی ماہ کی پہلی جمعرات شام تا اتوار صبح ۱۰ بجے

ماہانہ مجلس واصلاحی بیان (برائے مریدین وساکنین)

ہر انگریزی ماہ کی پہلی جمعرات مغرب تا عشاء

قافلہ حق (سہ ماہی) - فقیہ (ماہنامہ) - بنات اہل السنّت (ماہنامہ برائے خواتین)

مکتبہ اہل السنّت والجماعت

(فکری و نظریاتی کتب، پوسٹرز، آڈیو کیسٹس اور سی ڈیز کی ترسیل کیلئے)

مرکز اصلاح النساء (خواتین اور بچیوں کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا ادارہ)

احناف میڈیا سروس www.ahnafmedia.com

(پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں اسلامک کلچر کے فروغ کیلئے)

احناف ٹرسٹ (مندرجہ بالا تمام شعبہ جات میں مالی معاونت کیلئے)

ان تمام شعبہ جات میں مرکز کے ساتھ زکوٰۃ، عشر صدقات کی مدد میں تعاون فرمائیں

محمد الیاس

بنام

اکاؤنٹ نمبر

1401-03600000900

میزان بینک سرگودھا

مرکز اہل السنّت والجماعت، 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

خط و کتابت

E-mail: markazhanfi@gmail.com 0346-7357394 - 048-3881487